الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

دسمبر 2009

مبارک حسین مصباحی

۷۸۶

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبد العزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

زیرِ سرپرستی:

عزیز ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبد الحفیظ صاحب قبلہ سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

ماہنامہ اشرفیہ

دسمبر ۲۰۰۹ء

ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ

جلد نمبر ۳۳ شمارہ ۱۲

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ	THE ASHRAFIA MONTHLY	
دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور اعظم گڑھ یو۔پی۔ ۲۷۶۴۰۴	Mubarakpur. Azamgarh (U.P.) India. 276404	قیمت عام شمارہ: 15 روپے سالانہ: 150 روپے
چیک اور ڈرافٹ بنام مدرسہ اشرفیہ بنوائیں	کوڈ نمبر —— 05462 دفتر ماہنامہ اشرفیہ —— 250149 الجامعۃ الاشرفیہ —— 250092 دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122	سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ 500 روپے دیگر بیرونی ممالک $ 20 امریکی ڈالر £ 15 پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: info@aljamiatulashrafia.org

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

نگارشات

اداریہ

اداریہ — مبارک پورسے برکات نگرتک-ایک عینی شاہد کے احساسات ومشاہدات — مبارک حسین مصباحی — ۳

مسائل و مباحث

غور وفکر — مرکزی مدرسہ بورڈ: مفید یا مضر — خوشتر نورانی/صابر رضا رہبر — ۶

نظریات

فکر امروز — ابلیس کی مجلسِ شوریٰ کا دوسرا اجلاس (آخری قسط) — مولانا محمد اسحاق مصباحی — ۱۱

تحقیقات

تحقیقی نقطۂ نظر — کیا فقہ حنفی قانونِ روما سے ماخوذ ہے — مولانا قاضی ظہور احمد — ۱۴

فکر و آگھی — علامہ عبدالقاہر جرجانی اوران کا مذہب — مولانا نثار احمد مصباحی — ۱۸

اسلامیات

دعوتِ فکر — مزارات پر عورتوں کی حاضری — شہاب الدین مصباحی — ۲۴

شعاعیں — حضرت خضر علیہ السلام بزرگانِ دین سے ملاقات کرتے ہیں — پیرزادہ اقبال احمد فاروقی — ۲۷

بزمِ دانش

فکروق نظر — اقلیتوں کے مسائل: اسباب وتدارک — ساجد رضا مصباحی/سید محمد جید ربانی/سید احمد القادری — ۳۱

آئینہ در آئینہ

اشاریہ — ماہ نامہ اشرفیہ ۱۹۹۹ء — قطب الدین رضا مصباحی — ۳۷

ادبیات

گوشۂ ادب — فاخر جلال پوری-نعتیہ شاعری کے آئینے میں — ڈاکٹر انور شفیق اعظمی — ۴۳

نقد و نظر — شہرِ خموشاں کے چراغ — مبصر: مولانا ساجد رضا مصباحی — ۴۴

خیابانِ حرم — نعتیں — انس مسرور انصاری/ڈاکٹر وصی مکرانی واجدی — ۴۸

وفیات

سفر آخرت — مولانا مبین الہدیٰ مصباحی گیاوی — مبارک حسین مصباحی — ۴۹

مکتوبات

صدائے بازگشت — اقبال احمد فاروقی/وسیم اکرم نفیسی/منظر حسین نوری/عبدالخبیر اشرفی/محمد صدام حسین/محمد آصف رضا/ — ۵۱

سرگرمیاں

تنظیمی سرگرمیاں — جامعہ میں تحریری انعامی مقابلہ/مرکزی مدرسہ بورڈ کے تعلق سے تنظیم کی میٹنگ — ۵۴

خیر و خبر — سنی دعوتِ اسلامی کا سالانہ اجتماع/نیاز احمد مصباحی کو گولڈ میڈل/عرس صدر الشریعہ وسید نورانی/قاری ابوالحسن کا فاتحۂ چہلم — ۵۵

مبارک پورسے برکات نگرتک

ایک عینی شاہد کے احساسات ومشاہدات

مبارک حسین مصباحی

۹/نومبر ۲۰۰۹ء کو کاروانِ اشرفیہ مارہرہ مطہرہ سے واپس ہوا۔ خانقاہوں سے دینی درس گاہوں کا رشتہ ان جڑواں بچوں کی طرح ہے جو ایک ہی ماں کا دودھ پی کر جوان ہوئے ہوں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ درس گاہوں کا رشتہ جب بھی خانقاہوں سے کمزور ہوتا ہے وہ اپنی معنویت کھودیتی ہیں۔ ۶/۷/۸/نومبر ۲۰۰۹ء کو خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ میں عرس قاسمی برکاتی کا انعقاد ہوا۔ خانقاہِ برکاتیہ کا یہ عرس اس بگڑے ہوئے ماحول میں بھی بڑی حد تک اپنی موروثی میزان پر باقی ہے۔ دعوت وروحانیت کی قدیم روایتوں کا احترام بھی باقی ہے اور اہل سنت کے ترجیحی مسائل کے حل کی جانب پیش قدمی بھی جاری ہے۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ دن بدن عرسِ برکاتی کی معنویت بڑھ رہی ہے مگر اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مشائخ مارہرہ امتِ مسلمہ کی صلاح وفلاح کے لیے ہرممکن تدبیر کرتے نہیں تھکتے۔ ملک بھر سے علما اور دانش ور جوق در جوق شرکت کرتے ہیں۔ امسال جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے شرکت کرنے والوں کی فہرست بھی بڑی طویل تھی۔ جامعہ کے سربراہِ اعلیٰ عزیز ملت علامہ شاہ عبدالحفیظ صاحب، شیخ الجامعہ علامہ محمد احمد مصباحی، صدر شعبۂ افتا مفتی محمد نظام الدین رضوی، ناظم اعلیٰ الحاج سرفراز احمد خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

۷/نومبر کو صبح ۱۰/بجے سے منعقد ہونے والی فکر وتدبیر کانفرنس میں ہم لوگ مدعو تھے۔ صبح پانچ بجے ہم لوگ علی گڑھ اسٹیشن پر پہنچے۔ اس قافلے میں علامہ محمد احمد مصباحی، مولانا عبدالمبین نعمانی اور مفتی آلِ مصطفیٰ وغیرہ علما اور طلبہ تھے۔ نمازِ فجر اسٹیشن پر ادا کی گئی۔ البرکات کے ذمہ داران نے گاڑی پہلے ہی اسٹیشن پر لگا رکھی تھی۔ جامعہ البرکات میں صبح کا منظر بڑا سہانا لگا، صد قابلِ مبارک باد ہیں حضرت امین ملت دامت برکاتہم العالیہ اور ان کے برادران جنھوں نے عصری تعلیم کے میدان میں امتِ مسلمہ کے روشن مستقبل کی راہیں کھول دی ہیں۔ خانقاہوں نے ہر انحطاطی دور میں قومِ مسلم کو سہارا دیا ہے۔ مشہور مستشرق ایچ. آر. گب (H.R.Gibb) نے آکسفورڈ یونیورسٹی میں اپنی ایک تقریر میں کہا تھا:

"تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا، لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہو سکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تصوف یا صوفیہ کا اندازِ فکر فوراً اس کی مدد کو آجاتا تھا اور اس کو اتنی قوت اور توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کرسکتی تھی۔"

اس اقتباس کو پیش کرنے کا میرا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ عصری علوم کی درس گاہ کا قیام صوفیانہ تحریک کا حصہ ہے، بلکہ میرا مدعا یہ ہے کہ حالات کے چیلنجز کا مقابلہ کرنا، دینی اور روحانی قیادت کے لیے ناگزیر ہے اور خانقاہ برکاتیہ نے البرکات قائم کرکے امتِ مسلمہ کی فلاح وبہبود کے لیے ایک تاریخی کارنامہ انجام دیا ہے۔ البرکات کے عالی شان مہمان خانے میں ہم لوگ پہنچے، ضروریات سے فراغت کے بعد پر تکلف ناشتہ کیا اور البرکات اسکول کی آرام دہ بس سے ہم لوگ ۱۰/بجے مارہرہ میں داخل ہوگئے۔ علما اور مشائخ کے قیام کے لیے ایک مکان کی پیشانی پر بیت العلما کا بورڈ لگا ہوا تھا، یہی ہماری قیام گاہ تھی۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ "فکر وتدبیر کانفرنس" نمازِ ظہر کے بعد ایک بجے شروع ہوگی۔ اور پھر ہم لوگ اپنے بزرگ علما کے ساتھ محوِ گفتگو ہوگئے۔ بحر العلوم حضرت مفتی عبدالمنان اعظمی، ڈاکٹر فضل الرحمن شرر مصباحی، مولانا محمد ادریس بستوی، مولانا اقبال لکھنوی، پروفیسر فاروق صدیقی، مولانا فروغ احمد اعظمی، اور ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی وغیرہ علما اور دانش ور پہلے ہی سے وہاں رونق افروز تھے۔ نمازِ ظہر کانفرنس ہال میں ادا کی گئی۔ عصری اور دینی درس گاہوں کے پچاس سے زائد علما اور دانش ور کانفرنس میں موجود تھے۔ تلاوتِ قرآن سے کانفرنس کا آغاز ہوا۔ منصبِ صدارت پر خانقاہ برکاتیہ کے سجادہ نشیں حضرت امین ملت جلوہ فرما تھے۔ نظامت کے فرائض جناب احمد مجتبیٰ صدیقی بدایونی نے انجام دیے۔ کانفرنس کا موضوع تھا "مسلم معاشرے میں تعلیم — مشکلات وامکانات"۔ حضرت امین ملت نے خطبۂ صدارت پیش کیا اور اس بات پر خوشی کا اظہار فرمایا کہ آج عصری اور دینی علوم کے ماہرین امتِ مسلمہ کے تعلیمی مسائل پر ایک ساتھ غور کررہے ہیں۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ علما اور دانش وروں کی دوریوں نے بہت سی غلط فہمیوں کو جنم دیا ہے۔ حضرت امین ملت نے فرمایا کہ اس قسم کے پروگراموں سے فکری بیداری اور کچھ کرگزرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہمیں قیادت کا شوق نہیں، تعلیم کے میدان میں ہم جو کچھ کرسکتے ہیں وہ

کررہے ہیں اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔

کانفرنس ہال میں ملک کے مختلف گوشوں سے آئے ہوئے معروف علما اور دانش ور موجود تھے۔ موضوع کے حوالے سے اگر تمام حضرات کو گفتگو کا موقع دیا جاتا تو کئی نشستیں بھی ناکافی ہوتیں۔ خطاب کرنے اور تجاویز پیش کرنے کے لیے جن حضرات کا انتخاب کیا گیا ان کے اسما اس طرح ہیں: شرفِ ملت حضرت سید محمد اشرف مارہروی، علامہ محمد احمد مصباحی، مفتی محمد نظام الدین رضوی، مولانا یٰسین اختر مصباحی، ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی، پروفیسر فاروق احمد صدیقی، مولانا اسید الحق قادری، مولانا خوشتر نورانی، ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم، ڈاکٹر سید محب الحق، ڈاکٹر پرویز طالب، پروفیسر مسعود انور علوی، ڈاکٹر فہیم عثمان صدیقی اور مبارک حسین مصباحی۔

خطابات و تجاویز میں بہت سی اہم باتیں سامنے آئیں۔ سر دست نہ سب کا خلاصہ پیش کیا جا سکتا ہے اور نہ ان کا تجزیہ، کانفرنس میں مسلمانوں کی تعلیم کے حوالے سے جو باتیں خاص طور پر ابھر کر سامنے آئیں اور ذہن میں رہ گئیں انھیں ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں:

(۱) — یہ تصور غلط ہے کہ تعلیم و تحقیق کے میدان میں مسلمانوں نے کچھ نہیں کیا بلکہ علم و تحقیق اور صنعت و حرفت کے میدان میں ہمارا ماضی انتہائی تاب ناک ہے۔ مسلم معاشرے کی موجودہ صورتِ حال یقیناً تشویش ناک ہے۔ تعلیم دن بہ دن مہنگی ہوتی جا رہی ہے۔ جن حضرات کو دو وقت کا کھانا ملنا مشکل ہے، ان کے بچے اسکول جانے کے لیے سوچ بھی نہیں سکتے۔ غریب و نادار طلبہ کی تعلیم کے لیے مدارسِ اسلامیہ نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ مگر مدارس میں زیادہ سے زیادہ ۴ / فیصد طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اس موقع پر حضرت شرفِ ملت نے فرمایا اور یہ ۴ / فیصد سو فیصد کے نہیں بلکہ ۳۷ / فیصد سے ہیں۔ کیوں کہ مسلمانوں کے صرف ۳۷ / فیصد بچے ہی خواندگی کی فہرست میں شامل ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ مسلم معاشرے میں ۶۳/ فیصد بچے خواندگی کی فہرست میں شامل ہی نہیں۔ اس لیے اولین مرحلے میں ہمیں یہ غور کرنا ہوگا کہ ان بچوں کی تعلیم کے لیے کیا کیا جائے جو کسی بھی قسم کی تعلیم سے قطعاً نابلد ہیں۔ ضرورت ہے کہ علما اور دانش ور حضرات مسلم معاشرے کو تعلیم کی ضرورت و اہمیت سے آگاہ کریں۔ خطبا اور ائمہ کرام اس صیغے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ کتنے مقامات ایسے ہیں جہاں مکاتب و مدارس اور اسکول و کالج ہیں مگر مسلمان اپنے بچوں کو داخل ہی نہیں کراتے۔ مسلم معاشرے کا ایک بڑا طبقہ آج بھی تعلیم کی اہمیت سے نا آشنا ہے۔ اس پس منظر میں صدرِ کانفرنس حضرت امین ملت نے اعلان فرمایا کہ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ سال سے "البرکات انسٹی ٹیوٹ" علی گڑھ میں غریب و نادار بچوں کی مفت تعلیم کا بھی انتظام کریں گے۔

(۲) — حضرت علامہ محمد احمد مصباحی نے مدارس کے نصاب کے تعلق سے انتہائی جامع اور اہم خطاب فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ مدارس کے نصاب میں بدلتے حالات کے پیشِ نظر کچھ نہ کچھ تبدیلی ہر دور میں ہوتی رہی ہے۔ جو لوگ مدارس کے نصاب کے تعلق سے بے جا تبصرے کرتے ہیں، انھیں سوچنا چاہیے کہ مدارسِ اسلامیہ کا بنیادی مقصد حافظ، قاری، عالم، فاضل، محدث اور مفتی بنانا ہے نہ کہ ڈاکٹر اور انجینیر بنانا۔ جہاں تک عصرِ حاضر کے ضروری مضامین کی شمولیت کا سوال ہے وہ بڑے مدارس میں داخل ہیں، جیسے انگریزی، حساب، اور کمپیوٹر وغیرہ۔ آپ نے مزید فرمایا کہ تنظیم المدارس کے جدید نصاب تعلیم کو بڑی حد تک مفید بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ تھا علامہ مصباحی صاحب کی گفتگو کا خلاصہ۔ اس سلسلے میں ہمارا خیال یہ ہے کہ مدارس کے نصابِ تعلیم پر بحث کرنے سے ضروری یہ ہے کہ مدارس میں تعلیمی رجحان کو عام کیا جائے، کیوں کہ عام طور پر مدارس میں تعلیم ہی نہیں ہوتی۔ کتنے ہی مدارس ایسے ہیں جہاں ششماہی اور سالانہ امتحان تک کا اہتمام نہیں ہوتا۔ ان حالات میں ضرورت اس بات کی ہے کہ مدارس کے نظامِ تعلیم کو مستحکم بنایا جائے، یہ مستقل موضوع ہے جس پر غور و فکر کے ساتھ عملی پیش قدمی کو اولین ترجیحات میں شامل کرنا چاہیے۔ کیوں کہ قوم ان مدارس و مکاتب پر جتنا خرچ کرتی ہے، نتیجہ اس کے عشر عشیر بھی بر آمد نہیں ہوتا۔ معمولی شد بد رکھنے والے طلبہ کے سروں پر تاجِ فضیلت رکھ کر قوم سے زکوٰۃ و صدقات تو وصول کیے جا سکتے ہیں مگر کوئی تعلیمی انقلاب برپا نہیں کیا جا سکتا۔ عام طور پر ذمہ دارانِ مدارس کی نظر تعلیم سے زیادہ چندے پر رہتی ہے۔ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں چندہ برائے بندہ ہوتا ہے یا برائے تعلیم۔

(۳) — عصری تعلیم سے وابستہ طلبہ میں دینی معلومات کے فروغ کے سلسلے میں دو تجاویز سامنے آئیں۔ (۱)۔ حضرت شرفِ ملت نے فرمایا: اسکولوں کی تعطیل کلاں میں دینی تعلیمی کیمپ لگائے جائیں، جن میں زیادہ سے زیادہ دو سالہ کورس ہو، جہاں اسکول اور کالج کے طلبہ کو طے

شدہ نصاب کے مطابق اسلام کی بنیادی معلومات فراہم کی جائیں اور کورس کی تکمیل کے بعد انھیں باضابطہ سرٹیفکیٹ بھی دیے جائیں۔ ملک کے مختلف مقامات پر اس قسم کے پروگرام پہلے سے بھی جاری ہیں۔ انھیں زیادہ سے زیادہ عام کرنے اور منظم کرنے کی ضرورت ہے۔ (۲) — مسلمانوں کے زیر اہتمام جو اسکول اور کالج چلتے ہیں ان میں دینیات کا بھی ایک گھنٹہ رہنا چاہیے اور اس کے لیے باضابطہ ایک نصاب تیار کیا جائے۔ مولانا عبد المبین نعمانی صاحب کی رائے تھی کہ "سر دست حضرت مفتی خلیل احمد برکاتی کی ۹ حصوں پر مشتمل کتاب "ہمارا اسلام" بھی داخل نصاب کی جا سکتی ہے۔"

(۴) — خطابات و تجاویز کے دوران کئی بار زیرِ غور مرکزی مدرسہ بورڈ کی بھی بات اٹھی۔ عام تاثر یہ تھا کہ غیر اہل سنت مسلمانوں کی نمائندگی کے نام پر میڈیا میں چھائے رہتے ہیں، جب کہ اہلِ سنت و جماعت اکثریت میں ہونے کے باوجود منظر نامے سے غائب رہتے ہیں۔ مرکزی مدرسہ بورڈ جس کا تعلق راست مسلم معاشرے میں تعلیم سے ہے، ڈاکٹر فہیم عثمان صدیقی اور ڈاکٹر پرویز طالب نے خاص طور سے اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کرنے کی دعوت دی۔ شرفِ ملت نے اس حساس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے اس سلسلہ میں ایک بورڈ کی تشکیل کا اعلان کیا۔ اسی وقت جامعہ اشرفیہ کے پرنسپل علامہ محمد احمد مصباحی کو صدر اور راقم السطور کو کنوینر بنایا۔ حضرت سید محمد اشرف صاحب نے مجھے حکم دیا کہ بعد نمازِ مغرب اس سلسلے میں ایک میٹنگ کر لیجیے۔ قریب پندرہ افراد پر مشتمل علما اور دانش وروں کی ایک ٹیم نے مرکزی مدرسہ بورڈ پر سنجیدگی سے غور کیا اور باتفاقِ رائے یہ طے پایا کہ پہلے مرحلے میں اہم حضرات کو اردو اور انگریزی میں ڈرافٹ فراہم کیے جائیں۔ ڈرافٹ کے مطالعے کے بعد اجتماعی طور پر تجاویز و سفارشات نوٹ کر کے مرکزی حکومت کو پیش کی جائیں۔ میٹنگ میں اس بات پر بھی زور دیا گیا کہ اس کام کو اولین فرصت میں پایۂ تکمیل کو پہنچایا جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ حکومت مخالفت کا بہانہ بنا کر اس تجویز ہی کو مسترد کر دے اور مدارسِ اسلامیہ ایک بڑے فائدے سے محروم ہو جائیں۔ سر دست علمائے اہل سنت کے ایک وفد نے مرکزی وزیرِ تعلیم تک یہ اطلاع پہنچا دی ہے کہ علما کا ایک بورڈ ڈرافٹ کے اصلاح طلب پہلوؤں پر غور کر رہا ہے۔ طے شدہ تجاویز و سفارشات بہت جلد حکومت کو فراہم کر دی جائیں گی۔ یہ سطور لکھنے تک ڈرافٹ کا اردو ترجمہ ذمہ دار علما کو فراہم کر دیا گیا ہے، باقی مرحلہ بھی دو چار دن میں طے کر لیا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔

۷ / نومبر ۲۰۰۹ء کو قریب گیارہ بجے شب خانقاہِ برکاتیہ نے ایک تاریخی کارنامہ انجام دیا۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے سابق شیخ الحدیث اور مفتی بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان اعظمی دامت برکاتہم العالیہ کو ان کی علمی اور قلمی خدمات کے اعتراف میں چاندی سے وزن کیا۔ ماضی قریب میں اعترافِ خدمات کا یہ تیسرا واقعہ ہے۔ سب سے پہلے فقیہ اعظم ہند شارحِ بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی، صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ کو رضا اکیڈمی ممبئی نے چاندی سے وزن کیا۔ اس کے بعد اہل راجستھان نے مفتی اعظم راجستھان مفتی محمد اشفاق حسین نعیمی کو وزن کیا اور خانقاہِ برکاتیہ نے حضرت بحر العلوم کو۔ حضرت بحر العلوم نے چاندی کا نصف حصہ حضرت امین ملت دامت برکاتہم العالیہ کو پیش کر دیا کہ وہ اس چاندی کو جس مصرف میں چاہیں استعمال کریں۔ حضرت امین ملت نے اسی لمحہ پورے ولولہ و ترنگ کے ساتھ اعلان فرمایا کہ ہم علمائے کرام کی خدمت کے لیے ایک فنڈ قائم کرتے ہیں اور یہ نصف چاندی اسی فنڈ میں جمع کرتے ہیں۔ مارہرہ مطہرہ سے واپسی کے بعد جامعہ اشرفیہ کی عزیز المساجد میں حضرت بحر العلوم کو استقبالیہ پیش کیا گیا جس میں ان کی گل پوشی کی گئی۔ شیخ الجامعہ حضرت علامہ محمد احمد مصباحی نے حضرت بحر العلوم کی تدریسی، تبلیغی اور قلمی خدمات پر روشنی ڈالی۔ اس مجلس میں حضرت بحر العلوم نے شخصیت سازی میں حافظِ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی کی علمی اور فکری نوازشات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "میں نے قاعدۂ بغدادی سے لے کر بخاری شریف تک جامعہ اشرفیہ میں تعلیم حاصل کی اور تدریس و تبلیغ اور قلمی خدمات کا زریں دور بھی یہاں گزارا۔ میرے اندر اگر کوئی کمال ہے تو وہ حافظِ ملت اور جامعہ اشرفیہ کا فیضان ہے۔"

خانقاہِ برکاتیہ کے اجلاسِ عام میں حدِ نظر ہزاروں ہزار کا مجمع ہوتا ہے۔ اس بار خانقاہِ برکاتیہ کے نائب سجادہ نشیں حضرت سید نجیب حیدر میاں اور ان کی ٹیم نے یہ طے کیا تھا کہ علمائے کرام کو خطاب کرنے کے لیے پہلے ہی موضوعات دے دیے جائیں تا کہ طے شدہ عنوانات پر بھرپور گفتگو ہو سکے۔ اس کے لیے باضابطہ عنوانات دے کر پانچ علمائے کرام کو مدعو کیا گیا۔ مولانا مختار بہیڑوی، مولانا صغیر احمد جوکھن پوری، مفتی شمس الدین بہرائچی، ڈاکٹر علیم اشرف جائسی اور مبارک حسین مصباحی۔ میرا عنوان تھا "عرس کی معنویت اور اس کے آداب" عرس کی مناسبت سے یہ ایک اہم موضوع تھا۔ آخری اجلاس میں اس موضوع پر میری تقریر ہوئی۔ دعوت و تبلیغ میں مواعظ و خطابات کا ہر دور میں کلیدی کردار رہا ہے۔

مرکزی مدرسہ بورڈ

امتِ مسلمہ کے لیے مفید یا مضر

صوبائی سطح پریو.پی، بہار، بنگال، مدھیہ پردیش وغیرہ میں مدرسہ بورڈ کام کر رہے ہیں، علما بڑے شوق سے اپنے مدارس الحاق کرارہے ہیں، بلکہ اس کے لیے لمبی لمبی رقوم بھی خرچ کر رہے ہیں اور مدارس کو ایڈ پر لانے کے لیے سیاسی دباؤ بھی بنا رہے ہیں. سچر کمیٹی کی رپورٹ کے بعد مرکزی حکومت نے بھی سینٹرل مدرسہ بورڈ کی تجویز پیش کی ہے. بعض علما اور سیاسی حضرات اس کی مخالفت کر رہے ہیں. اس پس منظر میں چند سوالات حاضرِ خدمت ہیں.
مرکزی مدرسہ بورڈ کا قیام مدارس کے لیے مفید ہوگا یا مضر؟
کیا مرکزی مدرسہ بورڈ کا قیام مدارس کے خلاف یورپ و امریکہ کی خاموش سازش ہے؟
مدارس کے نصاب میں جدید تعلیم کی شمولیت مناسب ہے یا غیر مناسب؟
مرکزی مدرسہ بورڈ کے مجوزہ ڈرافت میں تمام مسلم فرقوں کی نمائندگی کی بات کہی گئی ہے ، اس سے آپ کہاں تک متفق ہیں؟
ڈرافت میں کہا گیا ہے کہ مرکزی مدرسہ بورڈ کی اسناد سی.بی.ایس.سی.بورڈ میں قابلِ تسلیم ہوں گی. طلبہ مدارس کی اعلیٰ تعلیم کے لیے یہ قرار داد کہاں تک مناسب ہے؟ از مبارک حسین مصباحی

بورڈ بن جاتا ہے تو سیکڑوں طلبہ کو ترقی کرنے میں سہولت ہوگی

جب مخالفت برائے مخالفت ہوتی ہے تو ہوا میں لاٹھی گھمائی جاتی ہے

از: خوشتر نورانی، مدیرِ اعلیٰ، ماہ نامہ جامِ نور دہلی

ملت کے قائدین اور سربراہوں کی دورنگی میری سمجھ سے باہر ہے-حکومت جب مسلمانوں کے لیے کچھ نہیں کرتی تو ان کے زبان وقلم حکومت کی بے حسی پر شعلے اگلتے ہیں اور جب وہ کچھ کرنا چاہتی ہے تو اسے اسلامی تشخص کے خلاف سازش قرار دیا جاتا ہے-ایسے میں حکومت کو کیا پڑی ہے کہ وہ مسلمانوں کی فلاح کے لیے اپنی انرجی ضائع کرے؟ ماضی میں جس طرح حکومت کی جانب سے مسلمانوں کی مجموعی ترقی کے بہت سے آفرز قائدین کے آپسی انتشار کی نذر ہوگئے، مرکزی مدرسہ بورڈ کے تعلق سے بھی مختلف صدائیں بلند کی گئیں اور اجتماعی اقدام نہیں کیے گئے تو اس کا حشر بھی اگلوں سے مختلف نہیں ہوگا-شاید حکومت چاہتی بھی یہی ہے کہ یہ آفر مسلمانوں کے آپسی اختلاف کی نذر ہوجائے ورنہ ملک کی مختلف ریاستوں میں پہلے سے ہی مدرسہ ایجوکیشن بورڈ، سی. بی.ایس.ای. بورڈ، اسکول ایجوکیشن بورڈ اور یو.جی.سی. (یونیورسٹی گرانٹ کمیشن) بطور نمونہ چل رہے ہیں، اسی نہج پر معمولی حذف واضافہ کے ساتھ مرکزی مدرسہ بورڈ بھی بنایا جاسکتا تھا، اس میں اتنی تحقیق وتفتیش اور مباحث کی ضرورت نہیں تھی، مگر سابق مرکزی وزیر برائے فروغ انسانی وسائل ارجن سنگھ نے ایک سوچے سمجھے نشانے کے تحت اس تجویز کو موضوع جنگ وجدال بنانے کی غرض سے پہلے ایک اجلاس عام طلب کیا اور پھر اسے ایک کمیشن کے حوالے کردیا- آخر وہی ہوا جو ہونا تھا، چند کانگریسی مولویوں نے اس پر بلاوجہ واویلا مچایا اور

پوری ملت اسلامیہ اس غیر ضروری بحث میں الجھ گئی- شکر ہے پروردگار کا کہ اہل سنت کے علما دیر سے ہی سہی، اس مسئلے میں بیدار ہوگئے ہیں، اس لیے اس کے مثبت نتائج کی امید کی جارہی ہے- یہ تو تھی تمہید کی شکل میں واردات قلبی، اب رہے آپ کے سوالات تو ان کے ترتیب وار جواب حاضر ہیں-

ا- مجموعی طور پر میری نظر میں مرکزی مدرسہ بورڈ کا قیام مدارس اسلامیہ کے لیے مفید ہوگا- اس کی متعدد وجوہات ہیں:

(الف) مرکزی مدرسہ بورڈ کے قیام کے تعلق سے وزارت فروغ انسانی وسائل کے قائم کردہ کمیشن برائے اقلیتی تعلیمی ادارہ جات کے ذریعے تیار کیا ہوا قانون کا مسودہ ۲۰۰۸ء میں جب علما اور دانشوروں کے ہاتھ لگا تو جو لوگ مشروط طور پر اس کے قیام کے خواہاں تھے، انہوں نے ان قابل اعتراض دفعات کی مناسب ترمیم یا اضافے کے لیے متعلقہ وزارت سے درخواست کی، جس پر کمیشن نے مناسب ترمیم کر کے اس مسودہ کو دوبارہ ۲۰۰۹ء میں مسلم ممبران پارلیمنٹ کے حوالے کیا- حکومت کی جانب سے اس تگ ودو سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ وہ خفیہ ایجنڈوں اور دفعات کے ذریعے ملت پر مرکزی مدرسہ بورڈ تھوپنا نہیں چاہتی، بلکہ علما کے پورے اطمینان کے بعد ہی اس کو پارلیمنٹ میں پیش کرنے کا ارادہ رکھتی ہے-

(ب) ہندوستان میں ہزاروں کی تعداد میں مدارس اسلامیہ ہیں جو اپنی اسناد کو حکومت سے تسلیم کرانے اور اس سے مالی امداد حاصل کرنے کے لیے کتنی مشکلات اٹھاتے ہیں، یہ بتانے کی ضرورت نہیں، اگر یہ بورڈ بن جاتا ہے تو بیک وقت ان دونوں مشکلات سے مدارس کو نجات مل جائے گی-

(ج) مدارس کے وہ طلبہ جو باصلاحیت ہوتے ہیں، صرف اس بنیاد پر آگے نہیں بڑھ پاتے کہ کاغذ کے چند ٹکڑوں کو حکومتی ادارے تسلیم نہیں کرتے، اگر بورڈ بن جاتا ہے تو ایسے سیکڑوں طلبہ کو ترقی کرنے میں سہولت ہوگی جو محض اسناد کے تسلیم نہ کیے جانے سے اعلیٰ تعلیم اور اعلیٰ ملازمت کے حصول سے محروم رہ جاتے ہیں-

(د) آج تعلیم کا حصول معاش کا حصول بن گیا ہے، مادیت کے اس دور میں معاشرے کو اس فکر سے آزاد کرنا ممکن نہیں، ایسے میں مدارس سے فراغت کے بعد اگر طلبہ کو چند سو یا ہزار روپے کی نوکری کرنی پڑے تو پھر دینی تعلیم حاصل کرنے کا رجحان معاشرے سے ختم ہوتا جائے گا- اگر مرکزی مدرسہ بورڈ کے قیام کے ذریعے طلبۂ مدارس کو خوشحال زندگی اور بہترین معاش کی ضمانت مل جاتی ہے تو دینی تعلیم کے حصول میں کوئی دنیوی امر مانع نہیں ہوگا-

(ہ) یہ زمینی سچائی ہے کہ ہندوستان کے ۹۹ر فیصد مدارس مسلمانوں کی مالی امداد سے چل رہے ہیں، مزید حکومت کی مالی امداد ادارے کی اس چلت پھرت کو عروج اور استحکام کی طرف گام زن کرتی ہے- یہی وجہ ہے کہ وہ سیکڑوں مدارس جو پسماندہ علاقوں میں پائے جاتے ہیں، وہاں کا غریب معاشرہ جن کی کفالت نہیں کرپاتا وہ اس چلت پھرت کے لائق بھی نہیں رہتے، نتیجے میں ان مدارس میں پڑھنے والے ہزاروں بچوں کو دو وقت کا کھانا بھی صحیح وقت پر میسر نہیں ہوتا، ایسے میں وہاں بہتر نظم ونسق، تربیت، تعلیم اور پھر اعلیٰ تعلیم کا تصور ریگستان میں پانی کی تلاش ہے- مرکزی مدرسہ بورڈ کے قیام سے ایسے سیکڑوں مدارس کو توانائی ملے گی کہ وہ اپنے قیام کے مقاصد کو بہتر طریقے سے پورا کرپائیں-

(و) ہندوستان میں ایسے سیکڑوں مدارس ہیں جہاں کے نااہل ناظم، کم سواد مہتمم اور ان پڑھ انتظامیہ ان اداروں کو "پرائیویٹ لمیٹیڈ کمپنی" کی طرح چلا رہے ہیں، عام اساتذہ سے لے کر پرنسپل تک کی تقرری میں کنبہ پروری کا جذبہ غالب ہوتا ہے اور قوم کی گاڑھی کمائی کا کوئی حساب وکتاب نہیں ہوتا- مرکزی مدرسہ بورڈ کی تشکیل ایسے لوگوں کے سروں پر ننگی تلوار ہوگی اور ان میں جواب دہی کا احساس پیدا ہوگا-

ان کے علاوہ بھی مرکزی مدرسہ بورڈ کے قیام کی افادیت ہے، ذاتی مفادات، انانیت اور مسلکی تعصبات سے بالاتر ہوکر ملت کی معاشی اور تعلیمی ترقی کا جذبہ جن دلوں میں موجزن ہوگا انہیں افادیت کے کئی اور پہلو نظر آئیں گے-

اب رہے وہ حضرات جو مرکزی مدرسہ بورڈ کے قیام کو اسلامی تشخص کو ختم کرنے کی منصوبہ بند کوشش قرار دے رہے ہیں، آخر ان کے پاس اپنے موقف کے اثبات میں دلائل کیا ہیں؟ تادم تحریر بورڈ کی مخالفت میں جو تحریریں شائع ہوئی ہیں ان کے مطالعے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ تمام دلائل "امکانیات" پر قائم ہیں- اس لیے مخالفین بورڈ کی تحریروں میں آپ کو ایسے جملے کثرت سے نظر آئیں گے "اسلامی تشخص متاثر ہوسکتا ہے"، "تعلیم متاثر ہوسکتی ہے"، "حکومت مدارس میں دخیل ہوسکتی ہے"، "نصاب تعلیم متاثر ہوسکتا ہے" وغیرہ- "ہوسکتا ہے" کا جملہ

یہ بتا رہا ہے کہ مخالفت کی ساری عمارت امکانیات پر کھڑی ہے- برخلاف وہ لوگ جو بورڈ کے قیام کے حق میں ہیں ان کے دلائل کی اساس زمینی حقائق پر قائم ہے جن کے مثبت نتائج کی برآمدی یقینی ہے-

مرکزی مدرسہ بورڈ کے قیام پر بحث کرنے سے پہلے کسی بھی بورڈ کے دائرہ عمل کے تعلق سے چند باتیں ذہن نشین رہنا ضروری ہے- بورڈ کا کام منظور شدہ نصاب کے مطابق امتحانات کا انعقاد اور اسناد کا اجرا ہے اور ضرورتاً مالی امداد کی فراہمی- بورڈ نہ تو تعلیمی اداروں کے انتظام و انصرام میں مداخلت کرتا ہے اور نہ نصاب و تقرری میں چھیڑ چھاڑ- ریاستی مدرسہ بورڈ، سی.بی.ایس.سی. اور یو.جی.سی. (یونیورسٹی گرانٹ کمیشن) اس کی واضح مثالیں ہیں جو تعلیمی اداروں کے انتظامی، نصابی، اندرونی اور تقرری جیسے معاملات میں مداخلت کی مجاز نہیں، مذکورہ بورڈ خود مختار تعلیمی اداروں کے عمومی معیار کی نگرانی کرتے ہیں اور اس کے مطابق منظوری دیتے ہیں اور مالی امداد فراہم کرتے ہیں- یہ بھی خیال رہے کہ بورڈ سے الحاق یا منظوری کا معاملہ اجباری نہیں اختیاری ہوتا ہے- یہ زبردستی کا سودا نہیں، دوطرفہ معاملہ ہے، بورڈ سے الحاق تعلیمی ادارے کی درخواست پر ہوتا ہے اور منظوری ملنے کے بعد بھی ادارے کے پاس الحاق کی منسوخی کا اختیار رہتا ہے- اگر ادارے کو بورڈ کی مداخلت یا مضرت کا کوئی خطرہ ستا رہا ہے تو وہ جب چاہے اپنے الحاق کو ختم کر سکتا ہے- اسی قانون کے تحت تمام بورڈز ہندوستان میں چل رہے ہیں-

رہا مسئلہ بورڈ سے الحاق کے بعد تعلیم کے متاثر ہونے کا، تو اس کا ٹھیکرا بورڈ کے سر پھوڑنا مناسب نہیں- ادارے کے تعلیمی معیار کی ذمہ داری ادارے کی انتظامیہ کے کندھوں پر ہوتی ہے، خواہ ادارہ ملحق ہو یا غیر ملحق- چناں چہ ایسے بے شمار ادارے مشاہدے میں آئے ہیں جو ملحق ہونے کے باوجود اپنے تعلیمی معیار کو بلند کیے ہوئے ہیں برخلاف غیر ملحق اداروں کے- اگر ادارے کے اساتذہ، انتظامیہ اور مجلس مشاورت چاہے تو تعلیمی معیار کسی صورت میں بھی متاثر نہیں ہو سکتا-

جو لوگ بورڈ کے قیام کی مخالفت میں سرگرداں ہیں ان کے ذمہ اس بنیادی اور اہم سوال کا جواب اس وقت تک رہے گا جب تک وہ اپنی مخالفت سے دست بردار نہیں ہو جاتے، وہ یہ کہ ملک کی نصف درجن ریاستوں میں جو مدرسہ بورڈ چل رہے ہیں آخر ان کے قیام کی مخالفت وہ کیوں نہیں کرتے؟ یہ بہت بنیادی اور اہم سوال ہے، وہ علما جو آج مرکزی بورڈ کی مخالفت کر رہے ہیں وہ اس وقت بھی موجود تھے جب ریاستی بورڈ کی تشکیل دی جا رہی تھی، جن کے تحت آج ہزاروں مدارس پروان چڑھ رہے ہیں، انہوں نے اس وقت اس کے قیام کی مخالفت کیوں نہیں کی؟ اور آخر ریاستی بورڈز کے ذریعے حکومت نے ایسا کیا کر دیا جس سے مدارس کا اسلامی تشخص برقرار نہیں رہ سکا؟ اگر ایسا کچھ بھی نہیں ہے تو پھر ریاستی بورڈ کی طرز پر مرکزی بورڈ کے قیام پر اتنا واویلا کیوں؟ بات کچھ نہیں صرف اتنی سی ہے کہ جو علما اونچے عہدوں پر بیٹھے آسائش میں زندگی گزار رہے ہیں اور جن کے نجی اداروں کی کفالت پٹرول کی دولت سے مالا مال عرب کی حکومتیں کر رہی ہیں انہیں ان عام علما کی ضرورتوں کا احساس نہیں جن کی زندگی صرف تنخواہوں پر گزرتی ہے اور نہ ان مدارس کا خیال ہے جن کا استحکام حکومت کے مالی امداد پر منحصر ہے-

۲- اب تک تو بورڈ کے قیام کے مخالفین یہ کہتے رہے ہیں کہ مرکزی مدرسہ بورڈ کے قیام کی تجویز بی.جے.پی. اور این.ڈی.اے. حکومت کی جانب سے آئی ہے، آپ کے خدشات نے اس کا دائرہ وسیع کر کے یورپ و امریکہ کی سازش تک پھیلا دیا ہے- بورڈ کے قیام کی سازش کا دائرہ کہاں جا کر رکتا ہے، یہ دیکھنا باقی ہے- کسی چیز کی مخالفت جب برائے مخالفت ہوتی ہے تو ہوا میں ایسے ہی لاٹھی گھمائی جاتی ہے-

مرکزی مدرسہ بورڈ کے قیام کی تجویز نہ تو کسی حکومت کی طرف سے آئی ہے اور نہ یورپ و امریکہ کی جانب سے- ۲۰۰۴ء میں جب مرکز میں یو.پی.اے. برسر اقتدار آئی تو سابق مرکزی وزیر مملکت برائے فروغ وسائل انسانی علی اشرف فاطمی نے مدارس کی مالی حالت اور مشکلات کو دیکھ کر مرکزی مدرسہ بورڈ کی تجویز رکھی، تاکہ مدارس مستحکم ہو سکیں اور قوم کے بچوں میں دین کا فروغ ہو، ان کا خیال تھا کہ ان کی اس تجویز کا مسلمانوں کے ذریعے والہانہ استقبال کیا جائے گا، مگر مسلمانوں کی نااہل قیادت نے اسے چوں چوں کا مربا بنا کر رکھ دیا-

۳- مدارس کے نصاب میں جدید تعلیم کی شمولیت اسی حد تک مناسب ہے جب تک مدارس کے نصاب اور اس کے قیام کے مقاصد کو زک نہ پہنچے، حکومت بھی یہی چاہتی ہے اور مدارس کے ذمہ داروں کا رجحان بھی یہی ہے-

۴- ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے جہاں کوئی بھی حکومتی فیصلہ اتفاق رائے سے کیا جاتا ہے- مرکزی مدرسہ بورڈ مسلمانوں

کے کسی ایک مکتب فکر یا مسلک کا نہیں ہے بلکہ تمام معروف مسلمانوں کا ہے جن میں دیوبندی، سنی، اہل حدیث، شیعہ، بوہری وغیرہ شامل ہیں- اس لیے بورڈ کے مسودے میں تمام فرقوں کی نمائندگی کی بات کہی گئی ہے جو ۱۵ ممبران اور ایک چیرمین پر مشتمل ہے- بورڈ پر کسی ایک مسلک کی اجارہ داری نہ تو قرین مصلحت ہے اور نہ ممکن- حکومت کے اسی جمہوری فیصلے نے ہی بہت سے علما کو بورڈ کے قیام کا مخالف بنا دیا ہے، کیونکہ کل تک تمام بورڈز اور حکومت کے اقلیتی اداروں میں ایک ہی مسلک کی اجارہ داری تھی- حکومت کے اس فیصلے کا ہم تہ دل سے استقبال کرتے ہیں-

۵- یہ بڑی اچھی بات ہے کہ مدارس کی اسناد کو سی.بی.ایس.سی. بورڈ تسلیم کرے گا، اس طرح طلبۂ مدارس کو اپنے ذہنی رجحان کے مطابق اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے مختلف شعبوں میں جانے

جامعہ اشرفیہ کا نیا نصاب بڑی حد تک جدید و قدیم کا جامع ہے

مخالفین کو یہ خوف ہے کہ بورڈ کے قیام سے مدارس کے لیے زکوٰۃ کے راستے بند ہو جائیں گے

از: صابر رضا رہبر، نائب ایڈیٹر روز نامہ راشٹریہ سہارا، ممبئی

یو.پی.اے. حکومت نے ہندوستانی مسلمانوں کی پسماندگی کے پس پردہ اسباب کو جاننے کے لیے جسٹس سچر کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی تھی جو "سچر کمیشن" کے نام سے معروف ہوئی، سچر کمیشن نے اپنی تحقیق و تفتیش کے بعد جو رپورٹ حکومت کو پیش کی اس میں ہندوستانی مسلمانوں کے درمیان تعلیم کے گراف کو افسوس ناک حد تک گرا ہوا بتایا تھا اور ان کے درمیان تعلیم کو فروغ دینے کے لیے حکومت کے سامنے کچھ تجاویز رکھیں تھیں، سچر رپورٹ میں مسلمانوں کے تعلق سے جس بات پر سب سے زیادہ زور دیا گیا تھا وہ تعلیم کے فروغ پر تھا۔ ظاہری بات ہے جب تک کسی قوم کے افراد زیور تعلیم سے آراستہ نہیں ہوں گے اس وقت تک وہ قوم ترقی اور بام عروج کو کیوں کر چھو سکتی ہے۔ اسی کے مدنظر جب کہ یو.پی.اے. سرکار نے ایک بار پھر زمام حکومت اپنے ہاتھ میں تھام لی ہے مسلمانوں کے درمیان خواندگی کی شرح میں اضافہ کے لیے "مرکزی مدرسہ بورڈ" کا منصوبہ بنایا ہے۔ جو سچر شفارسات کا ہی ایک گوشہ ہے جس کا مقصد مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے مسلم بچوں کو براہ راست قومی دھارے سے جوڑنا اور انہیں ایک ایسے روشن مستقبل کی جانب رہنمائی کرنا ہے تاکہ طلبۂ مدارس دینی علوم کے ساتھ دنیوی تعلیم سے بھی آشنا ہو کر ہر شعبے میں حکومت کا ایک اٹوٹ حصہ بن سکیں۔ اس کے لیے اس نے ایک خاکہ تیار کر کے اسے مسلم ممبران پارلیمنٹ کے سامنے غور و فکر کے لیے پیش کیا جس پر ابھی تک ان لوگوں کی جانب سے کوئی ردعمل سامنے نہیں آیا ہے۔ ہاں! البتہ کچھ مسلم تنظیموں اور علما کی جانب سے اس کی مخالفت میں بیان ضرور سامنے آئے ہیں۔ جس میں حکومت کی نیت پر شبہ کیا گیا ہے اور اسے مسلمانوں کے دین کے ساتھ قائم رشتے کو کمزور کرنے کی ناپاک سازش کہا گیا ہے۔

مرکزی وزیر تعلیم کپل سبل نے نصاب تعلیم کے بارے میں یہ وضاحتی بیان دے کر شکوک و شبہات دور کرنے کی کوشش کی تھی کہ اگر حکومت کا بنایا ہوا یہ ڈرافٹ آپ کو منظور نہیں ہے تو پھر آپ اپنا ڈرافٹ خود ترتیب دیکر لائیے ہم اسے منظوری دیں گے۔ انہوں نے اپنے بیان میں یہ بھی کہا کہ مدارس کے نظام اور اس کے داخلی معاملات میں حکومت کا کوئی عمل دخل نہیں ہوگا، ذمہ داران مدارس اپنے اعتبار سے جس طرح چاہیں گے چلائیں گے، ہمارا مقصد صرف مدرسوں میں پڑھنے والے بچوں کی تعلیمی حالت میں سدھار لانا اور مدرسے کو امداد فراہم کرنا ہے۔ اس وضاحتی بیان کے باوجود کچھ حضرات اس کی مخالفت پر ڈٹے ہوئے ہیں اور اخبار و رسائل کے ذریعہ مدرسہ بورڈ کی مذمت کا ایک طویل سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔

رسائل و جرائد اٹھا کر دیکھ لیجیے سب نے مرکزی مدرسہ بورڈ کی مخالفت کے اسباب بتانے کے بجائے صرف یہ کہہ کر اپنا فریضہ ادا کرنے کی سعی کی ہے کہ یہ مسلمانوں کو اس کے دین سے دور کرنے کی کوشش ہے اس لیے ہم اس کی شدید مذمت کرتے ہیں۔ جب کہ یہ بتانے کی قطعی زحمت نہیں کی جا رہی ہے کہ آخر کس جہت و نوعیت سے مرکزی مدرسہ بورڈ کے قیام سے مسلمانوں کو اس قدر عظیم نقصان پہنچ سکتا ہے؟ یہاں تک کہ "جمعیۃ علمائے ہند" نے بھی اپنے تیسویں اجلاس میں مدرسہ بورڈ کے خلاف ایک ایجنڈا پاس کیا اور اس کی سخت

مذمت کرتے ہوئے مسترد ہی نہیں کیا بلکہ اس کے نفاذ کے خلاف ہر طرح کے اقدام کرنے کا بھی عزم کیا گیا جب کہ ان کی جانب سے بھی کوئی ایسی بات نہیں کہی گئی جس سے مرکزی مدرسہ بورڈ کے مفاسد کی نشان دہی ہوتی ہو۔ حالاں کہ ابھی تک مرکزی مدرسہ بورڈ کی تشکیل تو دور اس کے متعلق کوئی ٹھوس قدم بھی نہیں اٹھایا گیا ہے۔ ابھی تو بات صرف میٹنگ و مشورہ تک ہی محدود ہے۔

کچھ حضرات بڑے فخر کے ساتھ یہ کہہ کر مرکزی مدرسہ بورڈ کی اہمیت و ضرورت سے انکار کر رہے ہیں کہ کل بھی مدارس اسلامیہ قوم کی زکوۃ و خیرات کی رقوم سے چلتے رہے ہیں، آج بھی چل رہے ہیں اور کل بھی چلتے رہیں گے۔ اس طرح کے بیان کو جاری کرنے والے حضرات شاید قرآن و حدیث میں زکوۃ و صدقات کے مستحقین کی جو نشان دہی کی گئی ہے اس سے ناواقف ہیں یا پھر وہ تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں۔

بہر حال حکومت کے مذکورہ وضاحتی بیان کے باوجود اس پر سنجیدگی سے غور و فکر کرنے کے بجائے مرکزی مدرسہ بورڈ کی مخالفت کرنا دانش مندی نہیں ہے۔

ان کے اس رویے سے عصری دانش گاہوں سے تعلق رکھنے والے اور قوم کے باشعور افراد میں یہ غلط پیغام ضرور جا رہا ہے کہ علمائے کرام یہ سب اپنے پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے کر رہے ہیں۔ انہیں یہ خوف ہے کہ مدرسہ بورڈ کے قیام سے وہ مدرسہ کے نام پر زکوۃ و صدقات کے رقم سے اپنی تجوری نہیں بھر پائیں گے۔ وہ نہیں چاہتے کہ ہماری قوم کے پسماندہ لوگ زکوۃ و صدقات کی رقم سے اپنی کمر سیدھی کر سکیں اور دو وقت کی روٹی کے لیے انہیں اپنی عزت و نفس کا سودا نہ کرنا پڑے۔ عوام و خواص میں پائی جانے والی یہ وہ تشویش ہے جس کو محض بدگمانی کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

تفصیل میں نہ جا کر بقدر اختصار آپ کے قائم کردہ سوالات پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

(۱)- اس تعلق سے مختصراً عرض ہے کہ اگر حکومت اپنے منصوبے کو بروئے کار لانے میں مخلص ہے تو مدارس کے حق میں اس کا قیام یقیناً مفید ہے۔ اور اس سے مدارس اپنے ارتقا کے مراحل کو تیزی کے ساتھ عبور کرنے کے اہل ہو جائیں گے۔ اس سے اس کے تعلیمی ڈھانچے میں تنوع پیدا ہوگا۔ مدارس کے ذمہ دار، مدرسین و ملازمین کی تنخواہ اور طلبہ کے قیام و طعام سے قطع نظر مدرسے کی تعلیم پر اپنی پوری توجہ مرکوز رکھیں گے۔ اس کی اسناد حکومت کی نظر میں اہمیت کی حامل ہوں گی۔ اس سے مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ حکومت کے ہر شعبے میں مدرسہ کی سرٹیفکیٹ سے ملازمت حاصل کرنے کے اہل بن جائیں گے۔ اس سے ان کا مستقبل روشن و تابناک ہوگا۔ اگر ہمارے مدارس کے اسناد کو ماضی میں اس طرح کی اہمیت دے دی گئی ہوتی تو شاید ہم اتنے پیچھے نہیں رہتے اور نہ ہی ہمارے فارغین مدارس روزگار کی تلاش میں دشت و صحرا کی خاک چھانتے پھرتے۔ اور نہ سرکاری محکمے میں اپنی نمائندگی نہ ہونے کی ہمیں شکوہ کرنا پڑتا ہے۔

(۲)- یہ ایک عام بات ہے کہ جب کوئی شخص پے در پے دھوکے کا شکار ہو جاتا ہے تو اسے غیر کی جانب سے دی جانے والی رسی سانپ نظر آتی ہے، مدرسہ بورڈ کے تعلق سے جس طرح کے شبہات جنم لے رہے ہیں انھیں ہم اسی زمرے میں شامل کر سکتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مقدس میں کافروں کے ذریعے ملنے والی خبروں کی تفتیش کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ مسلمان اس کی کسی بھی سازش کا شکار نہ بن سکیں۔ اس آیت کریمہ کو مشعل راہ بناتے ہوئے باشعور افراد پر مشتمل ایک گروپ تشکیل دے کر اس بات کی تحقیق کرنے کی ضرورت ہے، نہ کہ محض شکوک و شبہات کی بنا پر اس کو مسترد کرنے کی۔ ایک طرف تو ہم سچر شفارسات پر عمل درآمد کے لیے حکومت کو اپنی کڑی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں اور دوسری طرف جب وہ اس کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتی ہے تو ہمیں اس کے پیچھے یہودی اور امریکی سازش کارفرما نظر آنے لگتی ہے۔ اب مجھے بتایا جائے کہ ایسے ماحول میں حکومت اس نہج سے آپ کی ترقی کے لیے کوئی قدم اٹھائے گی؟

(۳)- مدارس اسلامیہ کے نصاب میں اس حد تک جدید تعلیم کی شمولیت کی بات کہی جا سکتی ہے جس سے اس کے مقاصد پر کوئی فرق نہ پڑے، کیوں کہ مدارس اسلامیہ کا خود اپنا نصب العین ہے، جس کے پیش نظر اس کے نصاب سے چھیڑ چھاڑ کرنے سے قبل ہمیں ان تمام پہلوؤں پر گہری نظر کرنی پڑے گی جس سے اس کے قیام کے مقاصد مفقود نہ ہوں۔

..................(باقی، ص: ۱۷ پر)

آخری قسط

فکرِ امروز

ابلیس کی مجلسِ شوریٰ کا دوسرا اجلاس

محمد اسحاق مصباحی

ابلیس: حاضرین! آپ حضرات نے میرا خطبۂ افتتاح، رشید، ویلفرائڈ اور باش امریکی کی رپورٹ سماعت فرمائی۔ میں آپ کا قیمتی وقت برباد کرنا نہیں چاہتا۔ بلا تاخیر میں آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں نتن ماساد صاحب کو جن کے پاس عظیم وزارت ہے یعنی وزارت برائے بربادیِ ماحولیات و قدرتی وسائل۔ تو آیئے جناب نتن ماساد صاحب!

سر حاضر ہوں! حضرات میرا پورا نام ہے نتن ماساد یاہو۔ میں اگرچہ شیطانی ہوں مگر میرا انتخاب اسرائیلی خصوصیات کی وجہ سے ہوا۔ دین اسلام نے جو اصول و قوانین اور ضابطۂ اخلاق ماحولیات و قدرتی وسائل کی حفاظت کے لیے بنائے تھے، ہم نے ان سے دنیا کو غافل کر کے اس کرۂ ارض کی بربادی کا سامان فراہم کر دیا۔ وہ اسلامی اصول یہ تھے:

۱- درختوں اور ہریالی کو نہ کاٹا جائے۔

۲- ہوا اور پانی کو بگاڑنے والی اشیا سے پرہیز کیا جائے۔

۳- غذا، پانی اور قدرتی چیزوں کا استعمال فضول خرچی کی حد تک حرام ہے۔ انسان فضول خرچی کے لیے قیامت میں جواب دہ ہوگا۔

کسی بھی شے کا اسراف حرام ہے۔ ایک سچا مسلمان جو سنتوں پر عمل کرتا ہے وہ اپنے تمام اعمال میں قدرتی وسائل کی بربادی سے بچتا رہتا ہے۔ ہم نے انسانوں کے تعلیمی نصاب سے پیغمبر اسلام ﷺ کی سنتوں کو خارج کر دیا اور دنیا کو یہ باور کرایا کہ وہ سب قرونِ وسطیٰ کی چیزیں تھیں۔ آج کا ماڈرن اسلام اختیار کرو جس کا سرچشمہ یورپ کی تہذیب ہے۔ لہٰذا مسلمان بھی سنتوں سے دور ہوتا گیا۔ بس پھر تو انسان مع مسلمان سب قدرتی وسائل پر ٹوٹ پڑے۔

اب انسان صرف اور صرف اپنے ذاتی نفع کی تلاش میں ہے، اس کو اپنی آنے والی نسلوں کا بھی خیال نہیں ہے۔ ماحولیات کے حوالے سے جو تحریکیں اٹھ رہی ہیں اور قانون و ضابطے بنائے جا رہے ہیں وہ آخرت میں جواب دہی کے تصور سے خالی ہیں۔ ان پر عمل کرنے والے پیدا نہیں ہو سکتے کیوں کہ وہ کسی رہ نما کے عشق سے خالی ہیں اور بغیر عشق کے کسی تحریک میں کامیابی نہیں مل سکتی۔

آج انسان پانی کو اس بے دردی سے بہا رہا ہے کہ دنیا میں پانی کے وسائل ختم ہونے کی کگار پر ہیں۔ اسرائیل حکومت نے اسی لیے مشرق وسطیٰ کے بیش تر پانی کے وسائل پر قبضہ کر لیا ہے، حکومتیں عموماً نااہل ہیں اور عوام حکومتوں سے زیادہ مفسد۔ لوگ زمین سے گھریلو استعمال میں کروڑوں گیلن پانی ایک معمولی سی آبادی میں ضائع کر دیتے ہیں۔ پٹرول، ڈیزل کا بے تحاشا اور بلا ضرورت استعمال کیا جا رہا ہے۔ دھوؤں کے مرغولے فضا میں پہنچ کر بادلوں کو بے کار کر رہے ہیں۔ کارخانوں کے فضلات سے دریاؤں کو آلودہ کیا جا چکا ہے۔ درختوں کو کاٹ کر مکانات اور طرح طرح کی عمارتیں قائم کی جا رہی ہیں۔ ایک عام آدمی ہو یا حکومت کوئی قدرتی وسائل کی طرف کماحقہ متوجہ نہیں ہے۔

ہم نے انسان کو اپنا بھائی بنا کر ہر میدان میں اسراف کا عادی بنا دیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کے دل سے اس قدرتی دنیا کی بربادی کا تصور بھی اڑا دیا ہے۔ اسراف و تبذیر کرنے والوں کا رشتہ جو ہم شیطانوں سے ہے اس کو مسلمانوں کے قرآن نے بھی بیان کر دیا ہے۔

ان المبذرین کانوا اخوان الشیٰطین.

(پارہ:۱۵، رکوع:۳، سورہ بنی اسرائیل)

انسان اگر ہادیِ اعظم کی سنتوں سے یوں ہی غافل رہا تو ہم کو یقین ہے کہ اس روئے زمین پر سر پہ سایہ کرنے کو درخت اور حلق تر کرنے کو پانی کی بوند میسر نہ ہوگی اور فضائی آلودگی کی وجہ سے ہوا کی لہروں کا توازن بگڑ جائے گا جس سے بستیاں جلنے لگیں گی اور طوفان آئیں گے۔ اور بڑی بڑی بلا ضرورت عمارتوں سے

لالہ نگلہ، پوسٹ کیمری، ضلع رام پور، یو.پی.

زمین کامرکز کروٹ لینے لگے گا تو زلزلے رُکنے کا نام نہیں لیں گے۔ اس طرح سے اِس کرۂ ارض کا نقشہ ہی بدل جائے گا، انسان برباد ہو گا اور ہم شیاطین کا بلا روک ٹوک راج ہو گا۔ میں خوشی محسوس کر رہا ہوں کہ اب انسان سنتوں اور اسلامی ضابطۂ اخلاق سے ہٹ کر ماحولیات کو برباد کر رہا ہے۔ ہم نے انسانوں کو سنتوں کی مخالفت میں بڑی مشکل سے کھڑا کیا ہے۔ اور ہم شیطانوں کو بڑی محنت کے بعد یہ دَور دیکھنے کو ملا ہے کہ فضا سے لے کر تحت الثریٰ تک قدرتی وسائل تہس نہس ہو چکے ہیں۔

ابلیس:- بہت خوب ماساد صاحب! آپ نے واقعی بڑی محنت سے انسانیت کو نجات دینے والے کی سنتوں سے دور کرنے میں کام کیا ہے۔

اب میں "رجن آشنا" کو پیش کر رہا ہوں جن کے پاس وزارت برائے فریب کاری میڈیا ہے۔

سر! میں حاضر ہوں۔ مجھے رجن آشنا کہتے ہیں۔ میں نے اپنی وزارت کی رپورٹ مختصر تیار کی ہے۔ آپ حضرات اِس کی تفصیل خود کر سکتے ہیں۔ حاضرین! ہمارے پاس کئی طرح کے ابلاغ کے ذرائع ہیں، برقی اور طباعی۔ ہم نے دونوں سے اسلام کے خلاف جھوٹ اور فریب کا بازار گرم کر رکھا ہے اور ہم نے مسلمانوں پر اتنے تیکھے حملے کیے ہیں کہ آج کا مسلمان سر جھکانے پر مجبور ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اسلام ہی ایک نجات دہندہ مذہب ہے اور باقی مذاہب شرعاً منسوخ اور عقلاً بے فائدہ ہیں۔ لہٰذا ہم کو ہر اس شے کی تلاش رہتی ہے جو مسلمانوں کے خلاف جا رہی ہو۔ ہمارے کارناموں کا خلاصہ یہ ہے:

۱- مسلمانوں کو اگر صرف پوچھ گچھ کے لیے کسی تفتیشی مرکز میں بلایا جاتا ہے تو ہمارے اخبار اُس مسلمان کو خطرناک دہشت گرد محسوس کرتے ہیں۔

۲- مسلمانوں میں طلاق، خلع اور پردہ کے تعلق سے کوئی واقعہ ہاتھ لگتا ہے تو ہم اُس کو ایسا رنگ دیتے ہیں کہ پڑھنے والا سمجھے کہ اسلام ایک دقیانوسی مذہب ہے۔

۳- مسلمانوں کی خرابی سے معمولی واقعہ سرورق پر ہوتا ہے اور دوسری قوموں کی دہشت گردی کے واقعات یا تو ہم ذکر ہی نہیں کرتے یا پھر چھپ کر کہ عام پڑھنے والے کی اس پر نظر ہی نہ جائے۔ دہشت گردی کے واقعات میں ہم نے اس مقصد کو خوب بھنایا ہے۔ پوری دنیا میں مسلمانوں کی مظلومیت کو ہم ذکر ہی نہیں کرتے ہیں۔ ہمارے دوست ممالک کی غیر مسلم آبادی چاہے کتنا ہی برا اور انسانیت کے خلاف کام کر لے، ہم اس کو نام تک نہیں دیتے ہیں۔ مسلمانوں کے حق میں جانے والی تحریریں ہم چھاپتے ہی نہیں۔ امریکہ اور اسرائیل کے تعلق سے خود مشرق و مغرب کے محققین اور تجزیہ نگار اگر کوئی بات کہتے ہیں تو ہم اس کو جب ہی چھاپتے، یا دکھاتے ہیں جب وہ مسلمانوں کے خلاف جا رہی ہو۔ اگر ان کے حق میں ہو گی تو ہم اس کو اپنے میڈیا میں جگہ نہیں دیتے ہیں۔ خصوصاً ہندوستان میں ہی ہمارے ہندی اخبارات اور ہندی میڈیا ہمارے نظریات اور اشارات خوب سمجھتا ہے۔ ان اخبارات میں تناسخ کے لیے واقعات تلاش کیے جاتے ہیں۔ ہندو تو عقائد کی حمایت میں مفروضے تیار کیے جاتے ہیں مگر کوئی ہندو فوجی دہشت گردی کے کیمپ قائم کر لے اور کوئی ہندو بم پھوڑ دے تو ہم اس چیز کو اپنے میڈیا میں جگہ نہیں دیتے۔ ہمارا ہندی اور انگریزی میڈیا جج کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ جو چاہے فیصلہ صادر کرائے عوام کو وہ ماننا ہو گا۔ ہمارا یہ میڈیا عدالت سے قبل ہی سب کچھ طے کر دیتا ہے۔

یہ ہمارے ہندی اور انگریزی میڈیا اور امریکی و اسرائیلی میڈیا کا کمال ہے کہ ہر مسلمان اب دنیا کو مفسد معلوم ہوتا ہے۔ مسلمان لاکھ اچھے کام کر لیں، ہندوؤں، یہودیوں، عیسائیوں اور دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ کتنا ہی احسان کر لیں، اُن کے مدارس کتنے ہی محبِ وطن افراد پیدا کر لیں۔ ملک کی ترقی اور دنیا میں حسن سلوک کی کتنی ہی مثالیں قائم کر دیں۔ مگر ہمارا میڈیا ان سب کو ایک سطر کی جگہ دینے کو تیار نہیں ہے، کیوں کہ میڈیا سے وابستہ افراد کو امریکی اور اسرائیلی خفیہ نیٹ ورک اپنے گھیرے میں رکھتا ہے اور ان کی برین واشنگ (دماغی صفائی) کے لیے ہم نے خصوصی انتظامات کیے ہیں۔ ہمارا یہ پورا نیٹ ورک کسی بھی ایسی تحریر کو آگے نہیں بڑھاتا ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے حق میں ہو۔ عراق پر حملہ، فلسطین کی مملکت میں رُکاوٹ، افغانستان اور پاکستان کا گھیراؤ، ہندوستانی مسلمانوں میں خوف و دہشت، یہ سب کچھ ہمارے اس میڈیا کا تاریخی کارنامہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ ہماری وزارت آئندہ بھی اسی طرح کے جھوٹ اور فریب کا کاروبار کرتی رہے گی۔

ابلیس:- حاضرین! آپ نے ہماری وزارتوں کی خصوصی اور مختصر رپورٹ ملاحظہ کیا۔ آپ نے دیکھا کہ ہم نے خدائے تعالیٰ سے جو وعدہ کیا تھا اور فساد و ضلالت کا جو تاج سر پر رکھ کر ہم دربارِ خداوندی سے نکلے تھے، ہم نے ہمیشہ اس کی لاج رکھی۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ دینی اور سیاسی طبقے سے لے کر ماحولیات، فضا اور میڈیا تک ہم نے کیسا فساد کیا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ ہم شیطانوں اور ہماری مدد کرنے والوں نے کتنے خطروں اور سخت حالات میں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے اور کرۂ ارض کی بربادی کے لاکھوں اسباب اکٹھا کر دیے ہیں۔ میں آپ حضرات کے سامنے اب الوداعی خطبہ پیش کرنے جا رہا ہوں۔ میں آئندہ کا لائحۂ عمل اور باقی ماندہ اسلامی طور طریقے کو برباد کرنے کے اصول اور راستے بیان کروں گا۔ آپ حضرات غور سے سماعت فرمائیں۔

میں پھر ابتدا اسی بات سے کر رہا ہوں کہ مسلمانوں پر خاص نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ ہر مقام پر شیطانی نظام کے کامیاب ہونے کے باوجود ہم شیاطین کو ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔

ہندوستان میں بہت سے ہندو اب بھی مسلمانوں پر ہونے والے ظلم کے خلاف ہیں۔ وہ مسلمانوں سے انسانیت اور وطنیت کی وجہ سے محبت کرتے ہیں۔ گجرات فساد اور مسلمانوں کی دہشت گردی میں بلا جواز گرفتاری کے خلاف بہت سے ہندو، مسلمانوں کے ساتھ کھڑے ہیں۔ ہم لوگوں کو چاہیے کہ ایسے انصاف پسندوں کا صفایا کر دیں اور ہر ہندو کے ذہن کو مسلمانوں کے خلاف کر دیں۔ عدل و محبت کا یہ آخری چراغ بھی سرزمینِ ہند سے بجھ جانا چاہیے۔

اسی طرح یورپ وغیرہ بہت سے مغربی ممالک میں کچھ دانش ور اور صحافی اسرائیل اور امریکہ کے خلاف لکھ رہے ہیں، ان کو بھی خاموش کرنے کی ضرورت ہے۔

بہت سے ملک آپس میں محبت و اتفاق کی بات کر رہے ہیں۔ اگر ایسا ہوا تو ہم شیاطین کو بے حد تکلیف ہو گی۔ اس کے لیے ہم کو ہر ملک میں بہت تیزی سے خفیہ پروازوں کے ذریعہ اسلحہ سپلائی کرنا چاہیے۔ اور بعد میں خفیہ طور پر ایک دوسرے کی سرحد میں حملہ کرا دینا چاہیے، تاکہ چین بھارت سے، ایران افغانستان سے، روس جارجیا سے، برما بنگلہ دیش سے اور یوں ہر ایک ملک ایک دوسرے سے ٹکرا جائے۔ انسانوں میں ایک نسل آج بھی علم و حکمت کی تلاش میں ہے، اس کو جنسی ہوس اور بلا مقصد زندگی پر لگانے کے لیے کمر کس لینا چاہیے۔

عورتوں پر ظلم بلائے ظلم کرنے کے لیے ان کا استعمال ایسے شعبوں میں کرنا چاہیے جہاں ان کی فریاد رسی ہو ہی نہ سکے۔ ان کو فوج، پولیس، خفیہ محکموں میں زیادہ لانا ہو گا تاکہ ان کی ہر موقع پر اس محکمے کے افراد آسانی سے عفت اتار سکیں۔ اُن کو اس طرح سے تربیت دینے کی ضرورت ہے کہ وہ خود مردوں کا ریپ کیا کریں۔ سیاست میں ان کا ریزرویشن ضروری ہے کہ اعلیٰ ذات اور مال دار ڈبل حصہ داری رکھ سکیں، ان کو ایسی تعلیم دیں کہ وہ مردوں سے بچے پیدا کرائیں۔ آئندہ سائنسی انقلابات میں یہ کوئی مشکل کام نہیں رہے گا۔

اور پوری توجہ کے ساتھ ان اہلِ حق علما کی طرف رخ موڑنا ہو گا جو سخت حالات اور مخالف انقلابات کے باوجود دینِ اسلام کا چراغ روشن کیے ہوئے ہیں۔ اگرچہ وہ بہت ہی قلیل ہیں مگر عظیم ہیں۔ تمام مدارس کو حکومت کے کنٹرول میں کرنا ضروری ہے تاکہ تمام دنیا میں ان کا حال بنگال و بہار کے سرکاری مدارس کا سا ہو جائے۔ یورپ اور مشرق میں ان مبلغین کی بھی خبر لینی ہو گی جو خاموشی کے ساتھ ہر روز کئی ایک کو مسلمان بنا لیتے ہیں یا فاسق سے صالح کر دیتے ہیں۔ مسلمانوں سے ہر تصوف اور مردانِ حق کی کتابوں پر پابندی لگوانی ہو گی۔ مسلمان اب بھی بہت سے ممالک میں دوسرے مذاہب کے ساتھ بہترین معاملات سے زندگی گزار رہے ہیں اور سیاسی طور پر کچھ قوت رکھتے ہیں۔ ان میں مسلم سیاسی رہ نماؤں سے اتنا اختلاف کرا دیا جائے کہ یہ متحدہ عدل پسند سیاسی قوت بکھر جائے۔ نفرت انگیز اور فرقہ پرست عناصر کو اتنی رقم مہیا کرائی جائے کہ وہ الیکشن کے موقع پر ایمان داروں اور علما کو حسبِ حیثیت خرید لیا کریں۔

ہر بستی میں قادیانیوں کو، وہابیوں کو، غیر مقلدوں کو پہنچا دیا جائے کیوں کہ اسلام کے خلاف اور ہادیِ اعظم ﷺ کے خلاف ان سے اچھا کام آج تک کسی نے کیا ہی نہیں۔

مفتی صاحبان کو ہر حرام پر رخصت اور ضرورتِ زمانہ کا لیبل لگا کر جواز کے فتوؤں پر ابھارنا ضروری ہے۔ مسلم وکیلوں کو شرعی دار القضا کے خلاف لکھنے اور بولنے کی ترغیب بھی لازمی ہے تاکہ یہ مسلمان خود ہی اپنی شریعت کا خاتمہ کر سکیں۔

(باقی ص: ۴۷ پر)

کیا فقہ حنفی قانونِ روما سے ماخوذ ہے

ایک تحقیقی وتنقیدی جائزہ

مولانا قاضی ظہور احمد اختر ایم۔اے۔

بات کا بتنگڑ بنانا ایک فن ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مستشرقین کو اس فن میں ید طولیٰ حاصل ہے۔ ان کی اس ریاضت کا ایک شاہ کار یہ دعویٰ ہے کہ ''فقہ حنفی'' دراصل قانونِ روما کا چربہ ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں۔ اس بات کو مستشرقین کا ایک گروہ بڑی بے باکی سے بار بار کہہ رہا ہے۔ گولڈ زیہر نے اپنی کتاب ''محاضرات عن الاسلام'' میں، فون کریمر نے اپنی کتاب ''تاریخ الثقافۃ الشرقیہ فی ایام الخلفاء'' میں، آیموس نے اپنی کتاب ''القانون المدنی الرومانی'' میں، امیلیو بوسی نے اپنی کتاب ''الابحاث فی العلاقات بین بیزنطینیہ والاسلام'' میں اور شیلڈون ایموز نے اپنی کتاب ''القانون الرومانی'' میں اس دعویٰ کو بڑی شدومد سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

یورپ دراصل ''برتری'' کے نفسیاتی مرض میں مبتلا ہے۔ ''ہمچو ما دیگرے نیست'' اس کا شیوہ ہے۔ اقوام عالم پر اور بالخصوص مسلمانوں پر جو برتری اسے حاصل رہی ہے یا کسی حد تک آج بھی ہے، اس نے یورپی مصنفین کے دل میں بالطبع یہ بات پیدا کر دی ہے کہ وہ مسلمانوں کے تمام گزشتہ کارناموں کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھیں اور اگر کوئی کمال ایسا نمایاں ہو جس سے انکار ممکن نہ ہو تو یہ دعویٰ کریں کہ وہ کمال مسلمانوں کی ایجاد نہیں بلکہ اس کی اصل ''یونان وروم'' ہے۔

مستشرقین نے اپنے دعویٰ کے حق میں جو دلائل پیش کیے ہیں وہ کم وبیش یہ ہیں:-

۱- فقہ حنفی کے بہت سے مسائل اور روما کے قوانین میں مماثلت ومشابہت ہے۔

۲- اس قدر متعدد اور وسیع قوانین جو فقہ حنفی میں شامل ہیں وہ دنیا کے اور قوانین کو شامل کیے بغیر ممکن نہیں۔ فقہ حنفی کی ترتیب و تدوین جس تیزی سے پایۂ تکمیل کو پہنچی وہ بھی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ فقہ حنفی قانونِ روما سے ماخوذ ہے۔

۳- اسلامی فتوحات کے وقت شام میں ''رومی قانون'' کی تعلیم کے بعض فقہی مدارس تھے جہاں تعلیم دی جاتی تھی اور کئی ایک ادارے اور محکمے بھی تھے جو قانونِ روما کے مطابق احکام صادر کرتے تھے اور جو اسلام کے بعد بھی ایک زمانہ تک قائم رہے۔ چوں کہ اس وقت مسلمان مدنیت میں زیادہ ترقی یافتہ نہ تھے اس لیے طبعی طور پر انھوں نے اپنے سے ترقی یافتہ اور متوازن ملک کے قوانین کو اپنایا اور ان سے احکام اخذ کیے۔ مفتوحہ ملک کے مسائل کو حل کرنے کے لیے یہی قوانین فقہ حنفی میں شامل ہوئے، وہاں کی رسومات نے بھی فقہ حنفی میں عمل دخل پایا۔

اب ہم مندرجہ بالا دلائل کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں۔ جہاں تک فقہ حنفی اور قانونِ روما کی مماثلت اور مشابہت کا تعلق ہے تو قابل غور امر یہ ہے کہ معلوم کیا جائے آیا مزعومہ مشابہت اتنی مقدار میں ہے جس کو اہمیت دی جائے یا بہت قلیل ہے جو قابل ذکر نہیں۔ آیا صرف مشابہت اس امر کی کافی دلیل ہے کہ فقہ حنفی، قانونِ روما سے ماخوذ ہے؟ مستشرقین نے مندرجہ ذیل مشابہات کا ذکر کیا ہے۔

۱- بارِ ثبوت مدعی پر۔

۲- بالغ ہونے کی عمر کا تعین۔

۳- تجارتی معاملات کے بعض احکام مثلاً ٹھیکہ، بیع، اور مقایضہ (اشیا کا تبادلہ) میں فرق۔

پہلے ہم اس مشابہت کی حقیقت معلوم کرتے ہیں جس کی رو سے عدالت کے نزدیک بارِ ثبوت، مدعی پر ہے۔ یہ امر واقع ہے کہ فقہ حنفی اور قانونِ روما دونوں میں یہی قاعدہ ہے، لیکن سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ قاعدہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثِ پاک ''البینۃ علی المدعی والیمین علی المنکر۔'' سے لیا ہے اور یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ

اس حدیثِ پاک کا زمانہ اسلامی فتوحات سے قبل کا ہے جن پر رومی قانون مسلط تھا، پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ قانون رومی قانون سے ماخوذ ہے۔

سنِ بلوغت کے مسئلہ میں بھی دونوں قوانین میں کوئی مماثلت نہیں، صرف قانونِ روما کے تحت لڑکے کے لیے سنِ بلوغت چودہ سال اور لڑکی کے لیے بارہ سال ہے، جب کہ فقہ حنفی میں لڑکے اور لڑکی دونوں کے لیے سنِ بلوغت پندرہ سال ہے۔ اس امر میں مشابہت کا ذکر کر کے مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔

تجارتی معاملات کے احکام میں بھی فقہ حنفی اور قانونِ روما کا فرق واضح ہے۔ رومی قانون میں بیع ایسا معاہدہ ہے جس کے لیے فریقین کی رضامندی کافی ہے لیکن ''مقایضہ'' ایسا معاہدہ ہے جس کے جائز ہونے کے لیے کسی ایک فریق کی طرف سے شے متبادل کا پیش ہونا ضروری ہے۔ لیکن فقہ حنفی اس ظاہری فرق کو قابل اعتنا نہیں سمجھتی بلکہ اس کی رو سے مقایضہ بھی بیع بالرضا کی ایک خاص قسم ہے۔ یہی کیفیت بیع اور ٹھیکہ کی ہے۔

مشابہت کی ان چند مثالوں کے مقابلہ میں اختلاف کی کثیر تعداد کا مطالعہ کیا جائے تو قانونِ روما سے فقہ حنفی کے اخذ کی اصلیت ظاہر ہو جاتی ہے۔ عبادات، تعزیرات، مالیات، قرض، سود، وراثت، نکاح، طلاق، نسب، خلع، غلاموں کی آزادی، عدل گستری، قانون بین الممالک وغیرہ میں فقہ حنفی اور قانونِ روما میں کوئی مماثلت نہیں۔ لے دے کے کچھ معاملات میں مماثلت پائی جاتی ہے سو ان پر تبصرہ ہو چکا ہے۔

رہا یہ کہ کیا صرف مماثلت ہی ماخوذ کی قطعی دلیل ہے۔ اس اجمال کی تفصیل کے لیے ضروری ہے کہ بنیادی قواعد اور فروعی قواعد پر نظر ڈالی جائے۔ معاشرہ کی تشکیل سے قبل اور بعد میں باوجود مختلف حالات اور مختلف زمان ومکان کے عدل وانصاف کا ایک ضابطہ موجود رہا ہے۔ یہ ضابطہ ناحق قتل، چوری، زنا اور ان جیسے جرائم کا حرام ہونا ہے۔ اقوامِ عالم کے قوانین میں ان کا متحد اور مشابہ ہونا ایک فطری امر ہے۔ بنیادی قواعد کے علاوہ مختلف قوانین اور فروعی قواعد میں بھی مماثلت کا پایا جانا خارج از امکان نہیں۔ قانون روما کے علاوہ قانونِ انگریزی میں بھی بعض مسائل میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ مثلاً مسئلہ فضولی یعنی بغیر اجازت کسی کے مال کو تصرف میں لانے کا قانون یا حقوق کے بے جا استعمال کا قانون، اس بنا پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انگریزی قانون، اسلامی قانون سے ماخوذ ہے۔ لہٰذا صرف مشابہت ومماثلت، ماخوذ ہونے کی دلیل ہرگز نہیں ہو سکتی۔

فقہ حنفی پر قانونِ روما کے اثر کے نظریے کی تائید میں مستشرقین نے جو دلائل پیش کیے ہیں ان میں سے دوسری دلیل اس کی تدوین اور سرعت کے ساتھ اس کا پایۂ تکمیل تک پہنچنا ہے۔ چوں کہ دوسری صدی ہجری کے آغاز ہی میں مسلمانوں میں فقہی مسائل کے مطالعہ اور اس پر تالیفات عظیم ترقی پا چکی تھیں۔ اس لیے اس غیر معمولی واقعہ کی توجیہ وہ لوگ یہ کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے قانونِ روما سے استفادہ کیا ہے۔ حالاں کہ اس غیر معمولی وسعت وسرعت کا باعث یہ نہ تھا کہ مسلمانوں کو قانون کے مغربی تصور سے کوئی عشق تھا بلکہ کثیر قانونی پیداوار کا سبب دراصل قانون کا وہ تصور تھا جو فخر موجودات رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فقہائے کرام رحمہم اللہ رکھتے تھے۔ اس تصور کے تحت ''فقہ'' صرف دنیوی مادی علم نہ تھا بلکہ علمِ دین کا جزو لاینفک قرار دیا جاتا تھا۔ فقہ کی ترقی علوم دینیہ کی تیز ترقی ہی کا ایک پہلو تھا جس کی ابتدا قرآن مجید کی تفسیر اور حدیث پاک کی تدوین وتشریح سے ہوئی تھی۔ فقہ حنفی کی وسعت اور تیز ترقی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے تبحر علمی اور معاملہ فہمی کی وجہ سے تھی۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جملہ مسائل کو سرعت کے ساتھ حل کرنے کا ملکہ ان میں بدرجۂ اتم موجود تھا۔ امام ابویوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ:

> [۹] ''جب کسی مسئلے میں ہمارا باہمی اختلاف ہوتا تھا تو ہم اسے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کرتے تھے۔ آپ اتنی جلدی جواب دیتے تھے جیسے اسے اپنی آستین سے نکالا ہو۔''

شبلی نعمانی اپنی کتاب ''سیرۃ النعمان'' میں لکھتے ہیں:

> ''جو چیز (فقہ) امام صاحب کی قوتِ ایجاد، جدتِ طبع، دقتِ نظر، وسعتِ معلومات، غرض ان کے تمام کمالاتِ علمی کا آئینہ ہے، جس کی (فقہ) ترتیب و تدوین میں ان کو وہ پایہ حاصل ہے جو ارسطو کو منطق

اور اقلیدس کو ہندسہ میں۔''

رائے و تدبیر، عقل و فراست، ذہانت و طباعی امام اعظم کے وہ مشہور اوصاف ہیں جن کو موافق و مخالف سب نے تسلیم کیا۔ امام ابوحنیفہ فقہ حنفی کے ماخذ کی نشان دہی یوں فرماتے ہیں:

> ''جب کوئی مسئلہ نہ کتاب اللہ میں ملے، نہ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تو اقوالِ صحابہ پر غور کرتا ہوں اور اقوالِ صحابہ کے سامنے کسی کے قول کو قابلِ اعتنا نہیں سمجھتا۔ ابراہیم شعبی، ابن سیرین، عطا اور سعید بن جبیر نے بھی اپنے زمانہ میں اجتہاد کیا، پس جس طرح ان حضرات نے اجتہاد کیا میں بھی کرتا ہوں۔''

قرآن و حدیث اور اقوالِ صحابہ کا سا وسیع میدان ہو، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ جیسا فقیہ ہو تو پھر قانونِ روما کی خوشہ چینی کی ضرورت کس طور پر محسوس کی جاسکتی ہے؟ یہ مستشرقین کا محض ظن ہے۔

مستشرقین نے فقہ حنفی کے قانونِ روما سے ماخوذ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی دی ہے کہ جب مسلمان رومی علاقے میں بحیثیت فاتح داخل ہوئے تو اس وقت رومی تعلیم کے بعض فقہی مدارس موجود تھے۔ کئی ایک ادارے اور محکمے قانونِ روما کے مطابق احکام صادر کرتے تھے اور ایک زمانہ تک قائم رہے۔ رومی علاقے عربوں سے زیادہ متمدن تھے۔ اس لیے طبعی طور پر ترقی یافتہ اور متوازن ملک کے قوانین کو اپنایا اور ان سے احکام اخذ کیے اور رسومات سے بھی استفادہ کیا۔

اس اعتراض کو بہ نظرِ عمیق دیکھا جائے تو یہ بھی باطل نظر آئے گا۔ جہاں تک فقہی مدارس کا تعلق ہے ان کے بارے میں اٹلی کے مستشرق ڈاکٹر سی. اے. نال لینو کی زبانی سنیے، وہ فرماتے ہیں:

> ''تمام بزنطینی کشوری اور عدالتی مجسٹریٹ جو قانون کے واحد اور حقیقی واقف کار تھے ملک چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ اس کا پتہ اس واقعہ سے چلتا ہے کہ شہروں کی اطاعت اساقف کے توسط سے ہوتی رہی، کشوری افسروں کے توسط سے نہیں جو فرار ہو چکے تھے۔''

جب قانون کے واحد اور حقیقی واقف کار فرار کا راستہ اختیار کر لیں تو قانون کی تعلیم چہ معنی دارد؟

فاتح کے غیر ترقی یافتہ اور مفتوح کے ترقی یافتہ ہونے کے بارے میں بھی ڈاکٹر صاحب ہی کا بیان ملاحظہ فرمائیں۔ فرماتے ہیں:

> ''قبل از اسلام ترقی یافتہ عربی قوانین کا پایا جانا ہر شک و شبہہ سے پاک ہے۔ ہم صرف جنوب مغربی عرب ہی سے بحث نہیں کرتے جو نہایت پرانے شہر روما کی بنیاد رکھے جانے سے بھی پہلے قدیم تمدن کا مرکز تھا اور جس میں مملکتی عضوتیں (یا ادارے) شاہی قسم کے دستور کے ساتھ مستحکم طور پر موجود تھے۔''

بقول ڈاکٹر صاحب: قبل از اسلام عرب میں ترقی یافتہ قانون موجود تھا۔ یعنی فاتح قوم کو غیر ترقی یافتہ کہنا غلط ہے۔

یہ صحیح ہے کہ اسلام کی فتوحات پھیلنے کے بعد جب عربوں کا مفتوحہ ممالک کے باشندوں سے تعلق پیدا ہوا تو انھیں وہاں کے ایسے مروجہ رسومات و قوانین سے واسطہ پڑا جو اسلام کے مزاج سے کسی طرح بھی مطابقت نہیں رکھتے تھے، لہٰذا انھیں رد کر دیا گیا اور جو قوانین و رسومات ایسے تھے کہ وہ اسلام کے نظامِ قانون کے خلاف نہیں پڑتے تھے انھیں مسلمانوں نے نہیں چھیڑا۔ یہ رسومات و قوانین ایسے تھے جو تقریباً ہر جگہ مشترک ہوتے ہیں اور یا پھر ان علاقوں میں رائج تھے جو باوجود رومی تسلط میں ہونے کے اپنے الگ قوانین رکھتے تھے۔

یہ علاقے خود قدیم عربی قانون سے متاثر تھے جو قرآن و حدیث کے علاوہ بحیثیت قدیم عربی قانون کے فقہ حنفی میں شامل ہوا۔ ایسے علاقوں کے قوانین قانونِ روما سے مطابقت نہ رکھتے تھے۔ اس کی شہادت ''مسٹر تھیوڈوریٹو'' کا بیان ہے کہ رومی سلطنت کے اقصائے حدود میں ایسی آبادیاں ہیں جو روما کے ماتحت تو ہیں مگر ان پر رومی قانون نافذ نہیں ہوتا۔ مسٹر تھیوڈوریٹو اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ:

> ''علاوہ اور اقوام کے طاقتور اسماعیلی قبائل اس میں شامل ہیں۔''

بعض مستشرقین یہ مفروضہ بھی پیش کرتے ہیں کہ قانونِ روما عربی میں ترجمہ ہوا اور پھر ان تراجم سے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے استفادہ کیا۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ مسلمانوں نے جب بھی کوئی

چیز کہیں سے لی فوراً اس کا اعتراف کیا۔ ادب و فلسفہ کے بارے میں مسلمان مصنفین نے جگہ جگہ اعتراف کیا ہے کہ یہ یونانی اور فارسی کتابوں کا ترجمہ ہے یا اخذ کردہ ہے۔ قانونِ روما کے ترجمہ ہونے کے بارے میں کہیں بھی کوئی اعتراف نہیں ملتا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فارسی النسل تھے، وہ کوفہ میں پیدا ہوئے، کوفہ چوں کہ ملکِ عراق میں بہت سے فقہا کا مرکز تھا اس لیے وہیں تعلیم پائی۔ عراق اس زمانہ میں ایرانی سلطنت کا حصہ تھا۔ فقہ حنفی پر بلاوجہ یہ اعتراض تو کیا جاسکتا تھا کہ فقہ حنفی، ایرانی قوانین سے متاثر ہے لیکن یہ کسی طور بھی نہیں کہا جاسکتا کہ فقہ حنفی قانونِ روما سے متاثر اور ماخوذ ہے۔ قانونِ روما کا عربی ترجمہ معدوم تھا۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رومی زبان سے ناواقف تھے، اس لیے یہ کہنا کہ فقہ حنفی نے قانونِ روما سے استفادہ کیا ہے، کج فہمی کا نتیجہ ہے۔

مستشرقین اپنا یہ گمان بھی پیش کرتے ہیں کہ فقہ حنفی کی ترتیب و تدوین کے وقت قانونِ روما سے استفادہ تو کیا گیا لیکن ان قوانین کو اسلامی قوانین قرار دینے کے لیے خود ساختہ احادیث کا سہارا لیا گیا ہوگا!

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض محض لاعلمی کی بنا پر کیا جاتا ہے۔ ورنہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ تو تمام فقہا کی نسبت انتخابِ حدیث میں بہت محتاط ہیں اور آپ صرف وہی احادیث قبول کرتے تھے جو باوثوق اسناد سے ثابت ہوں، بلکہ کم واسطوں والی حدیث کو ترجیح دیتے تھے تاکہ الفاظ کے تغیر و تبدل کا شبہہ نہ ہو۔

شبلی نعمانی یہ تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ہاں! یہ ضرور ہے کہ احادیث کے ثبوت کے متعلق امام ابوحنیفہ کی شرطیں نہایت سخت ہیں، جب تک وہ شرطیں پائی نہ جائیں وہ حدیث کو قابلِ استدلال نہیں سمجھتے تھے۔''

مستشرقین نے فقہ حنفی کے قانون روما سے ماخوذ ہونے کے جو دلائل پیش کیے ہیں ان پر سیر حاصل تبصرہ ہو چکا۔ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ فقہ حنفی ایک ایسا مستقل قوانین کا مجموعہ ہے جو قانونِ روما سے ماخوذ نہیں، اس کے اپنے مخصوص ضابطے اور شان دار مآخذ ہیں۔ فقہ حنفی ایک مستقل بالذات شریعت ہے جس کا اعتراف خود علمائے مستشرقین کو بھی ہے۔

☆☆☆☆☆

(ص: ۱۰ کا بقیہ) ....

دیکھیے! یہ دور تخصص کا دور ہے آج انسان کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ وہ تمام فنون میں مہارت حاصل کر سکے۔ اس لیے اپنی دل چسپی کے مطابق کسی ایک فن میں خوب مہارت پیدا کر کے اپنی صلاحیت کے جوہر دکھانے کی ضرورت ہے، اگر آپ مدارس کو عصر حاضر سے ہم آہنگ کرنے کے لیے اس کے نصاب میں جدید تعلیم کو یہ سوچ کر شامل کرنا چاہتے ہیں کہ طلبۂ مدارس دونوں میں اپنی قابلیت پیدا کر سکیں تو یہ آپ کی سوچ غلط ہے، ایسی صورت میں طلبۂ مدارس نہ تو دینی تعلیم میں کمال حاصل کر پائیں گے اور نہ ہی دنیوی تعلیم میں قابل اطمینان حد تک استعداد پیدا کر پائیں گے۔ جس کا نتیجہ ع: نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم کی صورت میں سامنے آئے گا۔ میرے خیال سے ازہر ہند الجامعۃ الاشرفیہ نے جو موجودہ نصاب تعلیم ترتیب دیا ہے وہ بہت حد تک دونوں تقاضوں کو پورا کر سکتا ہے۔

(۴)- جی ہاں! اس میں جملہ فرقوں کی نمائندگی ہونی چاہیے، بلا اس کے مرکزی مدرسہ بورڈ کا قیام ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ اس لیے کہ حکومت نے جو مرکزی مدرسہ بورڈ کا خاکہ بنایا ہے بنام مسلم ہے اور اس میں سارے مسلم فرقے شامل ہیں۔

(۵)- یہ بہت ہی بہتر ہے جب مدرسے کے اسناد کو سی. بی. ایس. سی. بورڈ کے مساوی درجہ مل جائے گا تو طلبۂ مدارس کے لیے عصری یونیورسٹیوں میں اعلی تعلیم کے راستے کھل ہو جائیں گے اور وہ اب ہر شعبے میں داخلہ لینے کے مجاز ٹھہریں گے۔ جب کہ ابھی آپ مدرسے کی سند سے کسی بھی پروفیشنل کورس میں ڈائریکٹ ایڈمیشن نہیں لے سکتے ہیں۔ اگر مدرسہ کے اسناد کو سی. بی. ایس. سی. کا درجہ مل جاتا ہے تو یہ مسدود راستہ بھی کھل جائے گا۔

☆☆☆☆

فکر و آگہی

علامہ عبدالقاہر جُرجانی اور اُن کا مذہب

نثار احمد خان مصباحی

علم نحو میں عبد القاہر جرجانی کی ایک مشہور کتاب "مائة عامل" ہے جو علامہ عبد الرحمٰن جامی کی شرح کے ساتھ اکثر مدارس میں داخلِ نصاب ہے۔ امام النحو حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ نے "شرح مائة عامل" کی اردو زبان میں ایک شان دار شرح اپنے مخصوص انداز میں لکھی ہے جس کا نام انھوں نے "البشیر الکامل" رکھا ہے۔

"شرح مائة عامل" میں علامہ عبد الرحمٰن جامی قدس سرہ السامی نے صاحب مائة عامل علامہ عبد القاہر جرجانی کا ذکر "الامام" اور "افضل العلماء الأنام" جیسے القاب کے ساتھ کیا ہے۔ "البشیر الکامل" میں اس مقام پر علامہ میرٹھی علیہ الرحمہ نے علامہ جرجانی کو سیبویہ، اخفش، ابن جنی، ابوعلی فارسی، زمخشری کی طرح ''متعصب معتزلی'' قرار دیا ہے اور علامہ جامی کے ذریعہ انھیں "الإمام" اور "افضل العلماء الأنام" کہنے پر تاویل کی ہے۔ علاوہ ازیں "البشیر الکامل" کے دیباچے میں بھی امام النحو علامہ میرٹھی علیہ الرحمہ نے علامہ عبد القاہر جرجانی کو ''از روے اعتقاد معتزلی'' قرار دیا ہے۔ سیبویہ، اخفش، ابن جنی، ابوعلی فارسی اور زمخشری سب کے سب معتزلی تھے یا نہیں؟ ہمیں اس وقت اس سے بحث نہیں مگر علامہ جرجانی کو ''از روے اعتقاد معتزلی'' بلکہ ''متعصب معتزلی'' قرار دیے جانے میں ہمیں تامل ہے۔

علامہ عبد القاہر جرجانی مذہب کے اعتبار سے معتزلی تھے یا نہیں اس پر گفتگو سے پہلے ہم معتزلہ کا مختصر تعارف پیش کرتے ہیں:

معتزلہ کا مختصر تعارف

یہ ایک گم راہ، بدمذہب فرقہ ہے جس کا بانی واصل بن عطا معتزلی ہے۔ واصل بن عطا نے حضرت امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں ان کے متعدد تلامذہ کی موجودگی میں مرتکب کبیرہ کے سلسلے میں اہل سنت کے راستے سے ہٹ کر ایک نئی راہ نکالی اور کہا کہ وہ نہ مومن ہے نہ کافر۔ اس کی پوری گفتگو سننے کے بعد امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "اعتزَلَ عنّا واصل." یعنی واصل ہم (اہل سنت) سے الگ ہوگیا۔ اسی وجہ سے اس کے ماننے والوں کا نام ''معتزلہ'' پڑا۔

یہ لوگ اپنے کو "اصحاب العدل والتوحید" کہتے تھے۔ (بعض کتابوں میں ان کا ذکر "العدلیة" اور "اصحاب التوحید" کے الفاظ سے بھی ملتا ہے)۔ ان لوگوں نے بہت سے عقیدوں میں اہل سنت سے اختلاف کیا ہے۔ مثلاً:

(۱)- ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر وہ کام کرنا واجب ہے جو بندوں کے لیے بہتر ہو، جب کہ اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کچھ واجب نہیں۔ معتزلہ کا یہ ایک ایسا عقیدہ ہے جو ہزاروں خرابیوں کو جنم دیتا ہے۔ اگر اختصار پیشِ نظر نہ ہوتا تو ان میں سے کچھ خرابیاں ہم بیان کرتے۔

(۲)- اسی طرح ان کا عقیدہ ہے کہ اطاعت گزار بندے کو ثواب دینا اور کبیرہ گناہ کرنے والے کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔

(۳)- ان کا عقیدہ ہے کبیرہ گناہ کرنے والا نہ مومن ہے نہ کافر، مگر آخرت میں اس کے ساتھ کافروں والا معاملہ ہوگا۔ جب کہ اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ: "الذنبُ لا یُخرِجُ العبدَ من الإیمان." یعنی گناہ (صغیرہ ہو یا کبیرہ) بندۂ مومن کو ایمان سے خارج نہیں کرتا۔ (وہ مومن ہی رہتا ہے)

(۴)- ان کا عقیدہ ہے کہ آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار محال ہے، جب کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ آخرت میں جنتیوں کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔ وجوہ یومئذ ناضرة. إلیٰ ربها ناظرة.

(۵)- ان کا عقیدہ ہے کہ قرآن جو کہ کلامِ الٰہی ہے وہ مخلوق ہے جب کہ اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ "القرآن کلام اللّٰہ غیر مخلوق." یعنی قرآن کلامِ الٰہی مخلوق نہیں، اس لیے کہ کلامِ الٰہی اس

nesarrmisbahi@gmail.com,
Mob:9450367174

کی ایک صفت ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی ذات ہی کی طرح قدیم اور غیر مخلوق ہیں۔

آگے چل کر معتزلہ بیس فرقوں میں تقسیم ہوگئے جن میں سے اکثر فرقے دوسرے فرقے والوں کو کافر قرار دیتے تھے۔[۱]

ان کے فاسد عقائد اور باطل نظریات کی وجہ سے ائمۂ اہلِ سنت نے انھیں بدعتی، گم راہ، اہل سنت سے خارج قرار دیا۔ آج معتزلہ روے زمین پر موجود نہیں مگر ان کے باطل عقائد کی صداے بازگشت آج کل کے کچھ بدمذہب فرقوں میں پائی جاتی ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

جملہ معترضہ کے طور پر یہ بات بھی بے فائدہ نہ ہوگی کہ عقیدے میں اہلِ سنت کے دو امام بہت مشہور ہیں:

(۱)- امام ابو منصور ماتریدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲)- امام ابوالحسن اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ان میں اول الذکر کی طرف نسبت رکھنے والے سنیوں کو **''ماتریدی''** اور آخر الذکر کی طرف نسبت رکھنے والے سنیوں کو **''اشعری''** کہا جاتا ہے۔

عبد القاہر جُرجانی کا تعارف

نام: عبد القاہر بن عبد الرحمٰن بن محمد ہے۔ کنیت: ابو بکر۔ نسبت: جُرجانی ہے۔ جُرجان شمالی ایران کا ایک قدیم اور عظیم شہر ہے جو طبرستان و خراسان کے درمیان بحرِ قزوین کے قریب واقع ہے۔ اس کا پرانا نام ''استرآباد'' ہے۔[۲]

علامہ عبد القاہر کی ولادت جرجان میں ہوئی۔ سنِ ولادت کا ذکر کسی کتاب میں نہیں ملتا۔ بعض معاصر محققین نے ۴۰۰ھ کے آس پاس ولادت کا وقت بتایا ہے۔[۳]

مگر یہ محض قیاس اور اندازے سے ہے۔ اس پر کوئی دلیل موجود نہیں۔ زیادہ سے زیادہ اسے تقریبی کہا جاسکتا ہے۔

علامہ عبد القاہر کی تعلیم و تربیت جرجان ہی میں ہوئی۔ تاریخ و تذکرہ کی کتابوں میں ان کے مرحلۂ تعلیم اور اساتذہ کی تفصیلات دست یاب نہیں، صرف ایک استاذ شیخ ابوالحسن محمد بن حسین فارسی نحوی (متوفی ۴۲۱ھ) کا ذکر ملتا ہے جو شیخ ابوعلی فارسی (متوفی ۳۷۷ھ) کے بھانجے تھے۔ ان سے علامہ جرجانی نے علمِ نحو حاصل کیا تھا۔ ان کے علاوہ کسی اور سے تعلیم حاصل کی یا نہیں؟ حصولِ علم کے لیے اپنے شہر سے دوسرے شہر گئے یا نہیں؟ اس سلسلے میں اکثر مصادر خاموش ہیں۔ البتہ علامہ طاش کبری زادہ "مفتاح السعادة" میں فرماتے ہیں:

"لم یأخذ عن غیره لأنه لم یخرج عن بلده."اھ[۴]

یعنی ان کے علاوہ کسی اور سے علم حاصل نہیں کیا، اس لیے کہ اپنے شہر سے باہر نہیں گئے۔

اگر واقعی ایسا ہی ہے تو یہ نہایت حیرت انگیز ہے کہ علامہ جرجانی تفسیر، فقہ، کلام، نحو، صرف، لغت، معانی اور بیان وغیرہ علوم میں ماہر بلکہ بعض میں درجۂ امامت پر فائز تھے مگر انھوں نے صرف ایک استاذ سے تعلیم حاصل کی تھی، وہ بھی علمِ نحو کی نہ کہ دیگر علوم کی۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تحصیلِ علم کے بعد ابتدا میں شعر و شاعری کی طرف رجحان ہوا۔ ایک دو مدحیہ قصیدے بھی لکھے مگر طبیعت شاعری میں نہیں لگی اس لیے اسے خیر باد کہہ دیا اور مختلف علوم و فنون کی تدریس و تالیف کی طرف توجہ کی۔ اپنے شہر جُرجان میں تشنگانِ علوم کو سیراب کرتے رہے اور آنے والی نسلوں کو بیش قیمت کتابوں کا لازوال تحفہ دیا۔ آپ کا خاص میدان علومِ عربیہ (نحو و صرف، معانی و بیان وغیرہ) تھے۔ آپ ان علوم میں درجۂ امامت پر فائز تھے بلکہ ایک قول کے مطابق علم بیان کے موجد آپ ہی ہیں۔ امام النحو علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ کی تصریح آرہی ہے کہ جب نحو اور معانی و بیان میں لفظ ''امام'' مطلقاً بولا جاتا ہے تو یہی مراد ہوتے ہیں۔ اسی ایک بات سے علامہ جرجانی کی عظمتِ شان کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

تقویٰ و طہارت اور دین داری آپ کا مشہور وصف تھا۔ متعدد مورخین نے اس وصف کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔

تصنیفات

ہمارے علم کے مطابق علامہ عبد القاہر جرجانی نے درج ذیل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔

(۱)- تفسیر سورة الفاتحة۔ یہ ایک جلد میں ہے۔ اس کا ذکر "تفسیر عبد القاهر" اور "شرح الفاتحة" کے نام سے بھی ملتا ہے۔

(۲)- اعجاز القران، کبیر -

(۳)- اعجاز القرآن، صغیر۔

کبیر وصغیر کی صراحت کے ساتھ ان دونوں کتابوں کا ذکر امام ذہبی رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۸ھ) نے ''تاریخ الاسلام'' میں کیا ہے، مگر دیگر مورخین نے یہ صراحت نہیں کی ہے اور صرف ''اعجاز القرآن'' نامی ایک تصنیف کا تذکرہ کیا ہے۔ علامہ عبد القاہر کی تصنیف ''اعجاز القرآن'' مصر اور بیروت وغیرہ سے شائع ہو چکی ہے۔ مگر ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ مطبوعہ ''اعجاز القرآن'' صغیر ہے یا کبیر۔

(۴)- المعتضد۔ یہ شیخ ابو عبد اللہ واسطی (متوفی ۳۰۶ھ) کی کتاب ''اعجاز القرآن'' کی شرح ہے۔ یہ کتاب مفقود ہے۔

(۵)- الرسالة الشافعية في اعجاز البشر عن معارضة القرآن.

(۶)- دلائل الاعجاز۔ یہ علم معانی میں ہے۔ ایک جلد میں بارہا شائع ہو چکی ہے۔

(۷)- اسرار البلاغة۔ یہ علم بیان میں ہے۔ یہ بھی ایک جلد میں بارہا شائع ہو چکی ہے۔

(۸)- المغني في شرح الايضاح۔ یہ ابو علی فارسی کی کتاب ''الإيضاح'' کی عظیم وضخیم شرح ہے جو تیس جلدوں پر مشتمل ہے۔

(۹)- متکملة۔ یہ المغنی کا تکملہ ہے۔

(۱۰)- المقتصد۔ یہ بھی ''الایضاح'' کی شرح ہے مگر یہ کوئی مستقل شرح نہیں ہے بلکہ ''المغنی'' کی تیس جلدوں کا تین جلدوں میں اختصار ہے۔ یہ ۴۵۴ھ میں لکھی گئی۔ یہ بات ڈاکٹر محمد التنجی نے ''دلائل الاعجاز'' کے ''مقدمة المحقق'' میں لکھی ہے۔ لیکن عمر رضا کحالہ نے ''معجم المولفین'' (۳۱۰/۵) میں صراحت کی ہے کہ المقتصد ایک جلد میں ''المغنی'' کا خلاصہ ہے۔

(۱۱)- الإيجاز۔ یہ کتاب ''الایضاح'' کا اختصار ہے۔

(۱۲)- کتاب الجمل۔ یہ ''الجرجانیۃ'' کے نام سے بھی مشہور ہے۔ یہ علم نحو میں ایک معروف رسالہ ہے جو کئی بار شائع ہو چکا ہے۔

(۱۳)- کتاب التلخیص۔ یہ کتاب ''الجمل'' کی شرح ہے۔

(۱۴)- العوامل المئة (مائة عامل)۔ یہ الگ سے اور علامہ جامی کی شرح کے ساتھ ہندوستان، پاکستان اور مصر وغیرہ سے بارہا شائع ہو چکی ہے۔

(۱۵)- التتمة - في النحو۔

(۱۶)- العمدة - في التصريف۔ متعدد ماخذ میں اس کا نام ''العُمد'' درج ہے۔

(۱۷)- کتاب العروض۔ علم عروض کے کچھ قواعد آپ نے ایک قصیدے میں جمع فرما دیے تھے، اس کا نام ''العروض'' ہے۔ یہ قصیدہ بیروت سے شائع ہو چکا ہے۔

(۱۸)- المختار من دواوين المتنبي والبحتري و أبي تمام والصولي۔ یہ متنبی، بحتری، ابو تمام اور صولی کے شعری مجموعوں کا انتخاب ہے جو ''الطرائف الأدبية'' کے نام سے بیروت سے شائع ہو چکا ہے۔

(۱۹)- مختار الاختيار في فوائد معيار النُظّار۔ یہ علوم بلاغت (معانی، بیان، بدیع) اور علم القوافی میں ہے۔ اس کے بارے میں مزید تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔ اس کا تذکرہ ہمیں ''کشف الظنون'' (۱۶۲۱/۲) میں ملا۔

(۲۰)- المفتاح۔ (۲۱)- التذکرة۔

وفات

علامہ جرجانی کے سن وفات کے سلسلے میں دو قول ہیں:

(۱)-۴۷۱ھ (۲)-۴۷۴ھ

مشہور اور راجح پہلا قول ہے، جسے اکثر تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے۔ البتہ بعض مورخین نے دوسرے قول کو بھی ذکر کیا ہے۔(۶) مگر حاجی خلیفہ نے ''کشف الظنون'' میں بعض مقامات پر پہلے قول کو اختیار کیا ہے اور بعض مقامات پر دوسرے کو اختیار کیا ہے۔ علامہ جرجانی کی کتاب ''اسرار البلاغة(۷) شرح اعجاز القرآن''(۸)، تفسير عبد القاهر (تفسير سورة الفاتحة)(۹)، کتاب الجمل(۱۰)، دلائل الاعجاز(۱۱)، العمدة في التصريف(۱۲)، اور المفتاح(۱۳) کے تذکرے میں سن وفات ۴۷۴ھ درج کیا ہے۔ اور ابو علی فارسی کی الایضاح کے شارحین کا تذکرہ کرتے ہوئے سن وفات ۴۷۱ھ درج کیا ہے۔(۱۴) اسی طرح علامہ جرجانی کی ''مائة عامل''(۱۵) اور ''مختار الاختيار في فوائد معيار النظار''(۱۶) کے تذکرے میں بھی سن وفات ۴۷۱ھ درج ہے۔

''کشف الظنون'' کو دیکھنے والا یہ دیکھ کر اضطراب کا شکار ہو جاتا ہے کہ کس قول کو اختیار کرے؟ پہلے کو یا دوسرے کو؟ صحیح اور

راجح کون سا قول ہے؟ کیا دوسرا؟ جسے حاجی خلیفہ نے اکثر مقامات پر ذکر کیا ہے۔

ہم یہاں یہ بتاتے چلیں کہ اپنے موضوع پر منفرد اور بے نظیر کتاب ہونے کے باوجود ''کشف الظنون'' کا یہ پہلو بہت ہی کمزور ہے۔ ان کے یہاں ولادت ووفات کی تاریخ میں بہت زیادہ اضطراب پایا جاتا ہے۔ بعض مقامات پر ایسے صریح تناقض ہیں کہ ناظر حیران رہ جاتا ہے۔ معلوم نہیں یہ خامی مصنف کی طرف سے ہے یا ناقلین کی طرف سے یا پہلی بار اس کی اشاعت کا اہتمام کرنے والوں کی طرف سے؟ انہیں اوہام وتناقضات اور بعض دیگر وجوہات کی بنا پر امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ (متوفی ۱۳۴۰ھ) نے ''کشف الظنون'' پر حاشیہ تحریر فرمایا تھا جو پتہ نہیں کس نہاں خانے میں محفوظ ہے۔

ابو الحسنات علامہ عبد الحی لکھنوی علیہ الرحمہ ''کشف الظنون'' کے اوہام وتناقضات پر تنبیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''لا يخفى على من ولع بمطالعة الظنون أن فيه أوهاما كثيرة و مناقضات كبيرة في تواريخ مواليد العلماء ووفيات الفضلاء، فمن قلده تقليدا بحتا من غير أن ينقده نقدا فقد وقع في الزلل۔''(۱۷)اھ

''جو ''کشف الظنون'' کے مطالعہ کا دلدادہ ہے اس پر یہ پوشیدہ نہیں کہ اس میں علما کی تاریخ ولادت ووفات کے سلسلے میں بہت سے اوہام اور بڑے بڑے تناقضات ہیں، تو جو شخص بغیر جانچے پرکھے اس کی اندھی تقلید کرے گا وہ لغزش کھائے گا۔''

ایک دوسرے مقام پر علامہ عبد الحی لکھتے ہیں:

''ان الكشف نسخة المطبوعة مشتملة على مناقضات كبيرة و مسامحات كثيرة، لا أدرى أهي من مولفها أو من متممي طبعها، فهل يجوز لفاضل ان ينقل كل ما فيه في حال النوم والغفلة۔''(۱۸)اھ

''کشف الظنون'' کے مطبوعہ نسخے بڑے تناقضات اور کثیر تسامحات پر مشتمل ہیں، مجھے نہیں معلوم کہ یہ اس کے مصنف کی طرف سے ہیں یا ناشرین کی طرف سے، تو کیا کسی فاضل کے لیے یہ جائز ہے کہ جو کچھ اس میں ہے سب نیند اور غفلت کی حالت میں نقل کر ڈالے۔''

اس لیے تاریخ ولادت و وفات کے سلسلے میں بغیر تحقیق کیے ''کشف الظنون'' پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ بہر حال علامہ جرجانی کے بارے میں راجح یہی ہے کہ ان کی وفات ۴۷۱ھ میں ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

علامہ جُرجانی کا مذہب

علامہ عبد القاہر جرجانی کا تذکرہ لکھنے والے تمام مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ فقہ وفروع میں وہ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد تھے۔ خود حضرت علامہ میرٹھی علیہ الرحمہ نے بھی اس کی صراحت فرمائی ہے، اس لیے ان کے فقہی مذہب کی تحقیق کی ضرورت نہیں۔ ہاں! عقیدے کے اعتبار سے ان کا مذہب کیا تھا؟ اس کی تحقیق کی ضرورت ہے۔ اس لیے نہیں کہ ان کے تذکرہ نگاروں میں ان کے مذہب کے سلسلے میں کوئی اختلاف ہے بلکہ اس لیے کہ حضرت علامہ میرٹھی علیہ الرحمہ نے انھیں ''از روے اعتقاد معتزلی'' قرار دیا ہے جسے تسلیم کرنے میں ہمیں تامل ہے۔

حضرت علامہ میرٹھی علیہ الرحمہ ''البشير الكامل شرح اردو شرح مائة عامل'' کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

''مائة عامل کے مصنف شیخ عبد القاہر جرجانی ہیں جو از روے اعتقاد معتزلی تھے اور فقہ میں امام شافعی علیہ الرحمہ کے مقلد۔ ''کتاب جمل'' انھیں کی تالیف ہے جس کو مجموعۂ نحو میر میں شامل کر دیا گیا ہے۔ ابو علی فارسی کی کتاب ''الایضاح'' کی شرح لکھی جو بیس جلدوں میں مکمل ہوئی۔ ۴۷۱ھ میں وفات پائی۔''(۱۹)

''شرح مائة عامل'' کی ابتدا میں عبد الرحمٰن جامی قدس سرہ السامی لکھتے ہیں:

''اعلم ان العوامل في النحو، على ما ألفه الشيخ ''الإمام'' ''افضل علماء الأنام'' عبد القاهر بن عبد الرحمن الجرجاني سقى الله ثراه و جعل الجنة مثواه، مائة عامل۔''اھ

''جان لو کہ نحو میں عوامل سو (۱۰۰) ہیں، جیسا کہ شیخ امام، افضل العلماء الانام، عبد القاہر ابن عبد الرحمٰن جرجانی نے لکھا ہے۔''

"الإمام" کے تحت علامہ میرٹھی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''الإمام" بمعنی پیشوا، یعنی نحو میں نہ (کہ) دینی علوم میں۔ اس لیے کہ (یہ) سیبویہ، اخفش، ابن جنی، ابوعلی فارسی، زمخشری کی طرح ''متعصب معتزلی'' ہے۔ چوں کہ ان کا اعتقاد تھا کہ کفر کی طرح کذب بھی خلود فی النار کا موجب ہے، اس لیے ان کی روایات پر اعتماد کیا جاتا ہے بشرطے کہ جذبۂ اعتزال پر مبنی نہ ہوں۔ لفظ ''امام'' سے نحوو معانی و بیان میں یہی عبد القاہر مراد ہوتا ہے اور فلسفہ میں امام فخر الدین رازی اور تصوف میں امام غزالی اور حدیث میں امام بخاری، اور فقہ میں امام اعظم ابو حنیفہ۔ قدست اسرارھم۔'' اھ[۲۰]

اور "أفضل العلماء الأنام" کے تحت لکھتے ہیں:

''یعنی علم ادب میں یا مطلقا بر سبیل ادعا تا کہ طلبہ کو اس کا کلام سننے کی طرف رغبت ہو۔''[۲۱]

علامہ میرٹھی علیہ الرحمہ کی ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ علامہ جرجانی فروع یعنی فقہ میں شافعی تھے اور اصول یعنی عقیدے کے اعتبار سے معتزلی تھے، بلکہ زمخشری وغیرہ کی طرح متعصب معتزلی تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب وہ بد مذہب تھے تو علامہ جامی نے "شرح مائة عامل" میں انھیں ''امام'' اور ''افضل العلماء الانام'' کیسے کہہ دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ جامی نے انھیں علم نحو کے اعتبار سے امام و پیشوا کہا ہے، دینی علوم کے اعتبار سے نہیں۔ اسی طرح انھیں علم ادب میں افضل یعنی سب سے بہتر کہا ہے، مطلقاً افضل نہیں کہا ہے۔ اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ انھوں نے مطلقاً تمام علما سے افضل کہا ہے تو یہ بیان حقیقت کے طور پر نہیں بلکہ محض دعوے کے طور پر کہا ہے اور یہ دعویٰ بھی اس لیے کیا تا کہ طلبہ جب دیکھیں کہ یہ افضل العلما کی کتاب ہے تو رغبت کے ساتھ سنیں اور پڑھیں اور انھیں علم نحو میں جلد سے جلد مہارت حاصل ہو جائے۔

علامہ میرٹھی علیہ الرحمہ نے علامہ جرجانی کو بد مذہب مانا ہے جس کی وجہ سے انھیں علامہ جامی کے اقوال میں تاویل کی ضرورت پڑی، مگر اس کوتاہ علم کی رائے یہ ہے کہ علامہ جامی کے اقوال میں تاویل کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ علامہ جرجانی بد مذہب نہیں بلکہ سنی صحیح العقیدہ اور سنیوں کے مقتدیٰ اور پیشوا تھے۔ ہم نے تاریخ و تذکرہ کی متعدد معتبر اور مشہور کتابوں کو دیکھا، تقریباً تمام کتابوں میں ہمیں صراحت ملی کہ وہ عقیدے کے اعتبار سے ''اشعری'' تھے۔ کسی کتاب میں قولِ ضعیف یا قولِ مرجوح یا قولِ مردود کی صورت میں بھی ہمیں ان کے معتزلی ہونے کا قول نہیں ملا۔ جہاں بھی ملا ''اشعری'' ہونے کا قول ملا۔

✵ امام شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۴۸ھ) اپنی عظیم وضخیم کتاب ''تاریخ الاسلام'' کی بتیسویں جلد میں علامہ جرجانی کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

"و کان شافعی المذهب، متكلما على طريقة الاشعری." اھ[۲۲]

✵ یہی امام ذہبی "سیر الاعلام النبلاء" میں علامہ جرجانی کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

"و کان شافعيا، عالما، اشعريا." اھ[۲۳]

✵ امام تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۷۱ھ) "طبقات الشافعية الكبرىٰ" میں لکھتے ہیں:

"عبد القاهر بن عبد الرحمٰن، الشيخ ابو بكر، الجرجانی، النحوی، المتكلم على مذهب الاشعری، الفقيه على مذهب الشافعی." اھ[۲۴]

مذکورہ بالا تینوں عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ علامہ عبد القاہر جرجانی، شافعی فقیہ اور اشعری متکلم تھے۔

✵ امام عفیف الدین یافعی (عبد اللہ بن اسعد یمنی مکی) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۶۸ھ) تاریخ کی اپنی عظیم کتاب "مراة الجنان" میں ۴۷۱ھ کے واقعات وحوادث کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وفيها توفى الشيخ الإمام النحوی العلامة، صاحب التصانيف المفيدة، عبد القاهر بن عبد الرحمٰن الجرجانی، الشافعی، الأشعری." اھ[۲۵]

✵ علامہ محمد بن شاکر بن احمد الکتبی (ابن شاکر الکتبی) علیہ الرحمہ (متوفی ۷۶۴ھ) اپنی مشہور کتاب "فوات الوفيات" میں علامہ جرجانی کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

"و کان شافعی المذهب، اشعری الأصول، مع دين و سكون، توفى سنة احدى و سبعين وأربع مائة۔ رحمه الله." اھ[۲۶]

اِن دونوں عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ علامہ جرجانی (فقہی) مذہب کے اعتبار سے شافعی اور اصول (عقیدے) کے اعتبار سے اشعری تھے۔ ان کی وفات ۴۷۱ھ میں ہوئی۔

✵ خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۹۱۱ھ) بُغية الوُعاة" میں علامہ جرجانی کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

"كان من كبار أئمة العربية والبيان، شافعيا، اشعريا." اھ[۲۷]

''آپ علومِ عربیہ اور علمِ بیان کے بڑے ائمہ میں سے تھے، آپ شافعی اور اشعری تھے۔''

✵ علامہ طاش کبری زادہ (احمد بن مصطفیٰ) رومی حنفی علیہ الرحمہ (متوفی ۹۶۸ھ) نے بھی "مفتاح السعادة" میں بعینہٖ یہی الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔[۲۸]

✵ علامہ ابن العماد حنبلی اپنی مشہور زمانہ کتاب "شذرات الذهب" میں ۴۷۱ھ میں وفات پانے والی شخصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وفيها عبد القاهر بن عبد الرحمٰن الجرجانی، ابو بكر، النحوی، صاحب التصانيف، منها: المغنى فى شرح الإيضاح ثلاثون مجلدا. وكان شافعيا، أشعريا، قاله فى العبر. وقال قاضى ابن شهبة (ابن قاضى شهبة): كان شافعى المذهب، متكلما على طريقة الأشعرى." اھ[۲۹]

''یعنی اسی سن (۴۷۱ھ) میں متعدد کتابوں کے مصنف عبد القاہر جرجانی کی وفات ہوئی، ان کی تصنیفات میں سے "المغنى شرح الإيضاح" تیس (۳۰) جلدوں میں ہے۔ آپ شافعی اشعری تھے۔ یہ بات (امام ذہبی نے) العبر (فی خبر من غبر) میں کہی ہے۔ اور ابن قاضی شہبہ نے کہا ہے کہ آپ شافعی المذہب اور اشعری متکلم تھے۔''

✵ شیخ عمر رضا کحالہ اپنی مشہور عالم کتاب "معجم المؤلفين" میں لکھتے ہیں:

"عبد القاهر بن عبد الرحمٰن بن محمد الجرجانی، الأشعری، الشافعی، ابو بكر، نحوی، بيانی، متكلم، فقيه، مفسر، توفى بجرجان." اھ[۳۰]

''یعنی ابو بکر عبد القاہر جرجانی اشعری شافعی نحو، بیان، علم کلام، فقہ اور تفسیر کے ماہر تھے۔ جرجان میں وفات پائی۔''

یہ تاریخ و تذکرہ کی ۹ معتبر، مستند اور مشہور کتابیں ہیں جن میں سے اکثر کے مصنف اپنے اپنے وقت کے علمائے کبار اور ائمۂ اسلام ہیں، یہ بیک زبان امام عبد القاہر جرجانی کے سنی (اشعری) ہونے کی شہادت دے رہے ہیں۔ ان میں یا کسی کتاب میں قولِ ضعیف کے طور پر بھی کوئی ایسا قول نہیں ملتا جو انھیں معتزلی بتاتا ہو، اس لیے انھیں معتزلی نہیں کہا جا سکتا۔

آخر میں اہلِ علم کی خدمت میں گزارش ہے کہ امام النحو حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمۃ والرضوان نے نہایت وثوق کے ساتھ امام عبد القاہر جرجانی کے معتزلی ہونے کی بات لکھی ہے، اِس فقیر کوتاہ علم کی رسائی ان کے ماخذ تک نہیں ہو سکی۔ آپ حضرات اگر مطلع ہوں تو اِس فقیر کو بھی آگاہ فرمائیں۔

............حوالے و حواشی............

(۱) معتزلہ کے بارے میں ان تفصیلات کا اکثر حصہ استاذ گرامی عمدۃ المحققین حضرت علامہ محمد احمد مصباحی ادام اللہ ظلہ کی کتاب "حدوث الفتن" سے ماخوذ ہے۔

(۲) المنجد فی الاعلام اور علامہ یاقوت حموی کی البلدان دیکھیں۔

(۳) ڈاکٹر محمد التنجی نے "دلائل الاعجاز للجرجانی" کے مقدمۃ المحقق میں یہ لکھا ہے۔ ان کا یہ مقدمہ بھی ہمارے اس مضمون کی تیاری میں معاون رہا۔

(۴) مفتاح السعادة و مصباح السيادة۔ ۱/۱۶۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت، طبع سوم ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۲ء۔

(۵) اسماعیل پاشا بغدادی نے هدية العارفين۔ ۱/۶۰۶ میں۔ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، سن ندارد۔

(۶) امام جلال الدین سیوطی نے "بغية الوعاة" ۲/۱۳۶ میں۔ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت، طبع اول۔ ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء۔

(۷) کشف الظنون ۱/۸۳۔ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، سن ندارد۔

(۸) کشف الظنون ۱/۱۳۰ (۹) کشف الظنون ۱/۴۵۳

(۱۰) کشف الظنون ۱/۶۰۲ (۱۱) کشف الظنون ۱/۷۵۹

(۱۲) کشف الظنون ۱/۱۱۲۹

(باقی ص: ۳۲ پر)

مزارات پر عورتوں کی حاضری

کیا امام احمد رضا کا فتویٰ علمی بد دیانتی اور جہالت پر مبنی ہے؟

محمد شہاب الدین مصباحی

اسلام میں بے حیائی، فحاشی گناہِ عظیم اور معاشرے کے لیے بہت خطرناک ہے اور یہ فحاشی مرد و عورت کے اختلاط ہی سے جنم لیتی ہے، اس لیے پردہ کی اہمیت کی بہت تاکیدیں آئی ہیں۔ اسی فتنے کے اندیشے سے عورتوں کو نماز کی جماعت میں حاضری سے روک دیا گیا۔ ابتداے اسلام میں مردوں کی طرح عورتیں بھی جماعت میں حاضر ہوتی تھیں، بلکہ عید جیسے بھیڑ بھاڑ اور اژدہام والے دن بھی حائضہ عورتوں کو بھی عید گاہ جانے کی بہت تاکیدیں تھیں، چناں چہ ام عطیہ فرماتی ہیں:

"امرنا ان نخرج الحیض یوم العیدین وذوات الخدور فیشهدن جماعة المسلمین ودعوتهم وتعتزل الحیض عن مصلاهن قالت: امراة یا رسول اللہ ﷺ احدانا لیس لها جلباب قال لتلبسها صاحبتها من جلبابها."

(مسلم شریف، کتاب صلوۃ العیدین ۱/۲۹۱، مجلس برکات)

یہی نہیں بلکہ مسجدوں سے عورتوں کو منع کرنے کی ممانعت بھی تھی، چناں چہ اسی میں ہے:

"لاتمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ."

(مسلم، باب خروج النساء الی المساجد، ۱/۱۸۳)

لیکن حالات اور زمانہ کی گردش کے پیشِ نظر رسولِ گرامی وقار ﷺ کی وفات کے بعد عورتوں کو مسجد جانے سے سختی سے منع کر دیا گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"لو ادرک رسول اللہ ﷺ ما احدث النساء لمنعهن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل." (ایضاً)

تمام کتبِ فقہ معتمدہ اس پر متفق ہیں کہ عورتیں جماعت میں حاضر نہ ہوں۔ علت وہی کہ فتنہ و فساد برپا نہ ہو، بے حیائی کا بازار گرم نہ ہو۔

اسی طرح زیارتِ قبور ابتداے اسلام میں اس لیے ممنوع تھا کہ لوگ بت پرستی کے عادی تھے، کہیں انھیں اپنی پرانی روش میں کشش نہ محسوس ہو۔ بعد میں جب لوگوں کا ایمان مستحکم ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"کنت نهیتکم عن زیارة القبور الافزوروها."

لیکن فسادِ زمانہ کے پیشِ نظر "درء المفاسد اولی من جلب المصالح." کی روشنی میں صرف مردوں کو اس حکم میں داخل مانا گیا۔ مساجد اور زیارت سے عورتوں کو منع کرنے کا یہ ہرگز مقصد نہیں کہ عورتوں کی کوئی اہمیت نہیں۔ اسلام میں عورت کی بہت اہمیت ہے۔ اسی کے ساز سے زندگی کا سوزِ دروں بھی باقی ہے اور کائنات کی تصویر بھی رنگین ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ مرد و زن اختلافِ صنف کے ساتھ ساتھ احکام بھی مختلف رکھتے ہیں۔ موجودہ دور میں فتنہ و فساد کا بازار گرم ہے۔ بے حیائی اور فحاشی اپنے عروج پر ہے۔ مزارات پر عورتوں کی حاضری کے عدمِ جواز کے حوالے سے امام احمد رضا قدس سرہ کے تحقیقی فتوے شہرۂ آفاق ہیں۔ مابعد رضا جمہور علماے اہل سنت نے انھیں فتاویٰ سے اکتسابِ فیض کیا ہے اور بگڑتے حالات کے پیشِ نظر اسی فقہی نقطۂ نظر کو خوب خوب عام بھی کیا۔ امام احمد رضا کے اس تحقیقی نقطۂ نظر سے ہر خاص و عام واقف ہے مگر افسوس! مولانا سیف الدین اصدق نے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ عورتوں کو مزارات پر جانا جائز ہے بلکہ ان کے انداز سے تو یہ لگتا ہے کہ جانا جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے۔ ان کے تیکھے تیور کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

"جو شخص حدیث کو آدھی بیان کر کے عورتوں کو مزارات پر جانے سے روکنے کا جواز پیدا کرتا ہے وہ شخص علمی بد دیانتی کر رہا ہے اور یہ

اس کی جہالت کا واضح ثبوت ہے۔" (جامِ شہود، اپریل تا جون ۲۰۰۸ء، ص: ۲۰)

موصوف کی اس مبہم تنقید کا نشانہ عموماً فقہاے کرام اور خصوصاً امام احمد رضا قادری ہیں، کیوں کہ ماضی قریب میں اس سلسلہ میں سب سے سخت موقف اعلیٰ حضرت ہی کا رہا ہے۔ آپ نے عورتوں کو مزارات وغیرہ پر جانے سے منع کے سلسلے میں دو مستقل رسالے تصنیف کیے، ان کے مطالعے کے بعد ہر منصف مزاج انسان ضرور اس بات کو مان لے گا کہ مزارات پر عورتوں کا جانا خلافِ نقل و عقل ہے۔ اس کے دلائل اتنے روشن اور واضح ہیں کہ ان کو نظر انداز کرنا حقیقت کو منہ چڑانا ہے۔ اسی وجہ سے مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ جناب اصدق صاحب کا فیصلہ اصولِ شرع سے کم، ذاتی مفاد اور امام احمد رضا کے عناد سے زیادہ متعلق ہے۔

دلائل و براہین کی روشنی اور علم و تحقیق کے دائرے میں کوئی بھی اختلاف معقول ہے اور قابلِ قبول ہے لیکن اگر علم و تحقیق کی حدود پار کر کے وہ اختلاف ذاتی اور شخصی عناد پر آجائے تو یہ بہت بری حرکت ہے۔ موصوف نے علمی تفوق جتاتے ہوئے بڑے بارعب انداز میں فرمایا: "وہ شخص علمی بد دیانتی کر رہا ہے اور یہ اس کی جہالت کا واضح ثبوت ہے۔" اب آئیے! علم و جہالت کا معیار تلاش کرتے ہیں، "عمدۃ القاری شرح بخاری" میں علامہ عینی فرماتے ہیں:

"قال بعضهم انما تکره زیارة القبور للنساء لقلة صبرهن وکثرة جزعهن وروی ابو داؤد عن ابن عباس قال: لعن رسول اللہ ﷺ زائرات القبور والمتخذین علیها المساجد والسرج.

واحتج بهذا الحدیث قوم فقالوا: انما اقتضت الاباحة فی زیارة القبور للرجال دون النساء وقال: ابن عبد البر یمکن ان یکون هذا قبل الاباحة قال: وتوقی ذلک للنساء المتجملات احب الی واما الشواب فلا یومن من الفتنة علیهن وبهن حیث خرجن ولا شیٔ للمرأة احسن من نوم قعر بیتها ولقد کره اکثر العلماء خروجهن الی الصلوات فکیف الی المقابر اه."

(عمدۃ القاری، ج: ۲، ص: ۹۵، دار الفکر بیروت)

بعض حضرات نے یہ کہا کہ عورتوں کے لیے زیارتِ قبور مکروہ ہے، کیوں کہ وہ صبر کم اور آہ و فغاں زیادہ کرتی ہیں اور ابو داؤد نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے زیارتِ قبور کرنے والی عورتوں، قبروں پر مسجدیں بنانے والوں اور ان پر چراغ رکھنے والوں پر لعنت فرمائی۔

اس حدیث سے کچھ لوگوں نے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ یہ صرف مردوں کی زیارت کے جواز کا تقاضا کرتی ہے۔

"ارشاد الساری شرح بخاری" میں علامہ شہاب الدین قسطلانی (متوفی ۹۲۳ھ) فرماتے ہیں:

"ولو قیل: بالحرمة فی حقهن فی هذا الزمان لاسیما نساء مصر لما بعد لما فی خروجهن من الفساد ولا یکره لهن زیارة قبر النبی ﷺ بل تندب و تنبغی کما قال: ابن الرفعة والقمولی اه." (ج: ۳، ص: ۳۵۸، دار الکتب العلمیة بیروت)

علامہ قسطلانی آج سے تقریباً ۵/ سو سال پہلے کے حالات کو نظر میں رکھتے ہوئے یہ اہم فیصلہ لے رہے ہیں جب کہ ان کا زمانہ اس دور سے بہر حال صدہا درجہ بہتر رہا ہوگا۔ اگر پانچ سو سال پہلے فتنہ و فساد کے خوف سے عورتوں کو مزارات پر جانے سے روکا جا سکتا ہے تو آج کے اس ماڈرن دور میں اس کی اجازت کون سی عقل مندی اور اصولِ اسلام کی کیسی پاسبانی ہے۔

علامہ عینی فریقین کے دلائل نقل کرنے کے بعد حاصلِ بحث یوں بیان کرتے ہیں:

"وحاصل الکلام من هذا کله ان زیارة القبور مکروهة للنساء بل حرام فی هذا الزمان ولا سیما نساء مصر لان خروجهن علی وجه فیه الفساد والفتنة وانما رخصة الزیارة لتذکر امر الآخرة وللاعتبار بمن مضی وللتزهد فی الدنیا اه."

(ج: ۶، ص: ۹۶)

اس پوری بحث کا حاصل یہ ہے کہ عورتوں کے لیے زیارتِ قبور مکروہ بلکہ اس دور میں حرام ہے۔ خاص طور سے مصر کی عورتوں کے لیے کیوں کہ ان کے نکلنے میں فتنہ و فساد ہے۔ دنیا سے بے رغبتی، ماضی سے سبق حاصل کرنے اور آخرت کو یاد کرنے کے لیے ہی زیارت کی رخصت دی گئی ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے "فتح الباری" میں تحریر فرمایا:

"اتفقوا علی ان زیارة القبور للرجال جائزة و اختلف فی النساء فقیل: دخلن فی عموم الاذن وهو قول الاکثر ومحله ما اذا امنت الفتنة اه." (ج: ۳، ص: ۱۴۸)

فتاویٰ تاتار خانیہ میں علامہ عالم بن علا انصاری دہلوی (متوفی ۷۸۶ھ) کفایۃ الشعبی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں: (اختصار کے پیشِ نظر صرف ترجمہ ملاحظہ کریں)۔

امام قاضی سے استفتا ہوا کہ عورتوں کا مقابر کو جانا جائز ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا: ایسی جگہ جواز وعدم جواز نہیں پوچھتے، یہ پوچھو کہ اس میں عورت پر کتنی لعنت پڑتی ہے۔ جب گھر سے قبور کی طرف چلنے کا ارادہ کرتی ہے اللہ اور فرشتوں کی لعنت میں ہوتی ہے۔ جب گھر سے باہر نکلتی ہے، سب طرفوں سے شیطان اسے گھیر لیتے ہیں۔ جب قبر تک پہنچتی ہے، میت کی روح اس پر لعنت کرتی ہے، جب واپس ہوتی ہے تو اللہ کی لعنت میں ہوتی ہے۔

(ج:۲،ص:۱۳۸،دار الاحیاء التراث العربی)

علامہ سید محمد طحطاوی (متوفی ۱۲۳۱ھ) مذکورہ عبارت اور علامہ عینی کا قول نقل کرنے کے بعد یہ فیصلہ فرماتے ہیں:

"وحاصلہ ان محل الرخص لھن اذا کانت الزیارۃ علی وجہ لیس فیہ فتنۃ اھ."

(حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح ص: ۶۲، فصل فی زیارۃ القبور)

علامہ حلبی نے "غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی" میں قاضی صاحب کے استفتا کو نقل کیا ہے۔

جناب اصدق صاحب نے استدلال میں "درِ مختار" کی یہ عبارت نقل کی ہے:

"لاباس بزیارۃ القبور ولو للنساء لحدیث کنت نھیتکم."

موصوف کو کون بتائے کہ "درِ مختار" کی عبارت نقل کرنے سے پہلے اس پر علامہ شامی کی تائید بھی دیکھنی چاہیے۔ علامہ شامی اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ان کان ذلک لتجدید الحزن والبکاء والندب علی ماجرت بہ عادتھن فلا تجوز وعلیہ حمل حدیث لعن اللہ زائرات القبور وان کان للاعتبار والترحم من غیر بکاء والتبرک بزیارۃ قبور الصالحین فلاباس اذا کن عجائز ویکرہ اذا کن شواب کحضور الجماعۃ فی المسجد اھ." (ج:۳،ص:۱۵۱)

جناب اصدق صاحب نے "بحر الرائق" کی اس عبارت سے بھی استناد کیا ہے:

"والاصح ان الرخصۃ ثابتۃ لھن ای للرجال والنساء بلا فرق بین العجائز."

علامہ ابن نجیم حنفی اس عبارت میں صرف رخصت دکھائی ہے جس کا ثبوت حدیث شریف سے ملتا ہے لیکن اس دور میں عمل کس پر کرنا مناسب ہے، یہ عدم جواز ہی ہے، کیوں کہ زمانے کے تغیر کے ساتھ ساتھ احکام میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے، وہ جواز اور رخصت کی بات خیر القرون کی تھی۔ چودہ سو سال سے آج تک بہت کچھ بدل چکا ہے، بلکہ صحابۂ کرام کے زمانے ہی میں بدل چکا تھا، جبھی تو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ باتیں ملاحظہ فرمالیتے جو اب عورتوں میں پیدا ہوگئی ہیں تو ضرور انھیں مسجد سے منع فرمادیتے۔

نیز "بحر الرائق" ہی میں جنازے کے ساتھ عورتوں کے جانے کے سلسلے میں ہے:

"لاینبغی للنساء ان یخرجن فی الجنازۃ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھاھن ذلک وقال انصرفن مازورات غیر ماجورات اھ."

(ج:۲،ص:۳۳۷)

موصوف نے "نور الایضاح" کی عبارت سے بھی استناد کیا ہے کہ مردوں اور عورتوں کے لیے زیارتِ قبور مستحب ہے۔ اس عبارت کا مقصود وہی ہے جب فتنہ وفساد کا خوف نہ ہو، جیسا کہ علامہ سید محمد طحطاوی نے فرمایا ہے کہ رخصت اسی وقت ہے جب کسی فتنہ کا خوف نہ ہو۔

کیا اب بھی یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ اس پر آشوب دور میں عورتوں کو مزارات پر جانا جائز ہے۔ یہ بھی سوچنے اور غور کرنے کی بات ہے کہ اس قدر ممانعت کے بعد بھی مزارات پر عورتوں کی اس قدر بھیڑ رہتی ہے کہ عرس کا گمان کم اور قومی میلہ وجشن کا گمان زیادہ ہوتا ہے۔ اگر اس کی کھلی چھٹی دے دی جائے تو عرس کی مقدس تقریبات میں کیسی کیسی رنگینیاں ہوں گی یہ کسی پر مخفی نہیں۔

یہ مانا کہ بزرگانِ دین کے اعراس میں شرکت اور قبورِ صالحین کی زیارت سے عورتوں کا بھی مستفیض ہونا جائز ہے مگر فقہ کا یہ قاعدہ بھی نظر میں ہونا چاہیے "درء المفاسد اولی من جلب المصالح." اور اس قاعدے کے تحت بہت سے مسائل بدل چکے ہیں، لیکن معلوم نہیں موصوف نے کس باطنی جذبے کے تحت یہ نئی راہ اختیار کی ہے۔ فتویٰ نویسی کے لیے کسی مدرسہ میں دوچار سال پڑھ لینا کافی نہیں بلکہ علمِ فقہ کے اصول وقواعد سے آشنائی ضروری ہے۔

شعاعیں

حضرت خضر علیہ السلام

بزرگانِ دین سے ملاقاتیں کرتے ہیں

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

حضرت داتا گنج بخش ابوالحسن علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ:

لاہور میں داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مرجعِ خلائق ہے۔ صدیوں سے یہ مزار بزرگانِ دین، اولیاے زمانہ اور عوام الناس کے لیے "گنج بخش فیضِ عالم" رہا ہے۔ لاکھوں زائرین حاضر ہوتے ہیں اور روحانی فیضان حاصل کرتے ہیں۔ سیکڑوں رجال الغیب یہاں حاضر ہوتے ہیں۔ ہم بھی گزشتہ ستر سال سے اس مزار پر حاضری دے رہے ہیں۔ ہم نے کئی رجال الغیب کو اپنی آنکھوں سے مزار پر حاضر ہوتے دیکھا ہے۔ بعض اوقات ہم اپنے مسائل لے کر حاضر ہوئے تو کسی رجل الغیب نے آگے بڑھ کر ہمارا ہاتھ پکڑا، مزار کی طرف اشارہ کیا، ہمارا مسئلہ حل کردیا اور نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ ہم نے سمجھا یہ تصرف حضرت داتا گنج بخش کا ہے۔ پھر خیال آیا حضرت گنج بخش کی نگاہِ کرم اپنی جگہ مگر وہ غائب ہونے والا شخص کون تھا؟

ہمارے استادِ محترم مولانا محمد نبی بخش حلوائی نقشبندی جن دنوں "تفسیر نبوی" تالیف کررہے تھے، فرمایا کرتے تھے جب کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہوتا تو میں حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتا، مسئلہ ذہن میں ہوتا، مراقبہ کرتا، کوئی شخص پاس آبیٹھتا اور آہستہ سے کہتا، مولوی صاحب! یہ ہے نا آپ کا مسئلہ؟ اور یہ کہہ کر غیب ہوجاتا۔ مولانا فرماتے تھے، حضرت داتا گنج بخش کے مزار پر کئی رجال الغیب اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے، میں نے خضر علیہ السلام کو تو نہیں دیکھا مگر خضر صورت کئی حضرات نے میری مشکلات کا ازالہ کیا۔

شہنشاہِ سمناں حضرت مخدوم جہاں گیر اشرف رحمۃ اللہ علیہ:

آپ سمنان کے بادشاہ تھے۔ سلطنت ترک کی۔ روحانی سفر پر نکلے۔ ہندوستان آئے تو شیخ علاء الدین بنگالی کے مرید ہوئے۔

"مراۃ الاسرار" میں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت خضر نے آپ کے کان میں فرمایا: شہنشاہی کرو مگر اسم اللہ کے معانی زبان کو حرکت دیے بغیر دل پر نقش کرلو۔

"لطائف اشرفیہ" میں لکھا ہے کہ حضرت جہاں گیر اشرف سمنانی کے پاس رمضان کے آخری عشرے میں حضرت خضر علیہ السلام آئے، فرمانے لگے: سلطنت کے امور کو فقر کے ساتھ چلانا مشکل ہوتا ہے۔ تاج وتخت چھوڑو اور ہندوستان کا رخ کرو، آپ کے مرشد علاء الحق تمہارا انتظار کررہے ہیں۔ ادھر حضرت خضر علیہ السلام نے ستر بار شیخ علاء الحق کو بتایا کہ مملکت سمنان سے ایک شہباز پرواز کرتے کرتے آپ کی طرف آرہا ہے، اس پر نگاہ رکھنا۔ یہ واقعہ "مراۃ الاسرار" میں بھی بڑی تفصیل کے ساتھ درج ہے۔

حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت خواجہ بہاء الدین نقش بندی علیہ الرحمہ سلسلۂ نقشبندیہ کے بانی ہیں۔ بخارا سے تین میل کے فاصلہ پر "قصر عارفاں" آپ کا دار الارشاد اور دار القرار تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں جذبات کی رو میں بخارا کے بیابانوں میں رات کے وقت تنہا پھرا کرتا تھا۔ ایک رات مجھے ایک شخص ملا، پشمینے کا لباس پہنے گڈریوں کی سی لاٹھی اٹھائے گھوڑے پر جارہا تھا۔ مجھے لاٹھی سے ٹھوکر مارتے ہوئے کہنے لگا، تم نے گھوڑے دیکھے ہیں؟ میں خاموش رہا اور سفر کرتا رہا۔ اس نے کئی بار میرا راستہ روکا، لاٹھی سے ٹھوکر ماری مگر میں چلتا رہا۔ وہ رباط قراول تک میرے پیچھے آیا اور کہنے لگا، آؤ بیٹھ کر کچھ باتیں کریں۔ میں نے پروانہ کی۔ میں اپنے پیر ومرشد حضرت سید امیر کلال کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ فرمانے لگے، رات تم نے حضرت خضر علیہ السلام کی طرف توجہ نہیں کی، حالاں کہ وہ لاٹھی کی ٹھوکر سے تجھے متوجہ کررہے تھے۔ عرض کی: حضور! میری توجہ تو آپ

کی ذات پر تھی، میں جانتا تھا کہ خضر ہیں مگر میرے ضمیر نے اجازت نہ دی کہ ان سے بات کروں۔ (تذکرۂ مشائخ نقش بندیہ)

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی:

آپ سلسلۂ نقش بندیہ کے بانی بزرگوں میں سے تھے۔ ایک دن آپ اپنے استاذ صدر الدین سے تفسیر قرآن پڑھ رہے تھے۔ ایک مقام پر آپ نے اپنے استاذ سے ایک مسئلہ کی وضاحت چاہی تو آپ نے فرمایا: ایک وقت آئے گا کہ کوئی صاحب نظر تمہارے اس مسئلے کا حل بتائے گا۔ حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ اس دن سے میں بزرگانِ دین کی تلاش میں سرگرداں ہو گیا۔ جہاں کسی بزرگ کی خبر پاتا، زیارت کو جا پہنچتا۔ ایک دن حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہو گئی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اپنا تعارف کرایا اور بتایا میں خضر ہوں، تمھیں ایک سبق دیتا ہوں ہمیشہ اسے دوہراتے رہنا، تم پر اسرار کھل جائیں گے۔ آپ فرماتے ہیں: میں نے ان کے کہنے پر عمل کیا تو مجھ پر اسرارالٰہیہ کے دروازے کھل گئے۔

کچھ عرصہ بعد حضرت خواجہ یوسف ہمدانی بخارا تشریف لائے تو ان کی مجلس میں اکثر خضر علیہ السلام سے ملاقات ہو جاتی تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت خضر تمہارے ''پیر اسباق'' ہیں اور خواجہ ہمدانی پیر صحبت ہیں۔ خواجہ عبدالخالق غجدوانی فرماتے ہیں کہ جب حضرت خضر نے مجھے خواجہ یوسف کے سپرد کیا تو اس وقت میری عمر بائیس سال تھی۔ (تذکرۂ مشائخ نقشبندیہ)

غوثِ اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

سیدنا غوث اعظم عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ اولیاے کاملین کے سربراہ اور رجال الغیب کے راہ نما ہیں۔ آپ نے ابتدائی زندگی میں بے پناہ ریاضت کی، پندرہ سال تک بغداد کے مضافات میں ''برج عجمی'' میں مجاہدہ کرتے رہے۔ ایک دن آپ کو خیال آیا، جب تک اللہ مجھے نہ کھلائے گا میں کچھ نہیں کھاؤں گا۔ چالیس روز گزر گئے۔ اندر سے ''الجوع الجوع'' کی آوازیں آتی تھیں مگر آپ نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا۔ آپ فرماتے ہیں کہ چالیس دن گزرنے کے بعد ایک شخص آیا اور میرے سامنے کھانے کی چیزیں رکھ گیا۔ میں نے ایک نگاہ ڈالی۔ میرے نفس نے ہائے بھوک ہائے بھوک کا شور مچایا مگر میں اپنے وعدے پر قائم رہا۔ اسی دوران میرے شیخ ابوسعید مخدومی بذاتِ خود تشریف لائے۔ آپ نے میرے اندر کی بے تابی پر نگاہ ڈالی، آواز سنی، پوچھا: عبدالقادر یہ کیسی آواز ہے؟ عرض کیا: ''حضور یہ میرے نفس کی بے چینی ہے مگر میں تو مشاہدۂ حق میں مشغول ہوں''۔ آپ نے فرمایا: میرے گھر آنا۔ مگر آپ کچھ دن اور بھوک کو برداشت کرتے رہے، اتنے میں خضر علیہ السلام آئے، فرمانے لگے: اٹھو، حضرت ابوسعید کے پاس چلیں۔ میں گیا تو خواجہ ابوسعید اپنے دروازے پر کھڑے میرا انتظار فرما رہے تھے۔ فرمانے لگے، جو کچھ میں نے کہا وہ کافی نہ تھا۔ حضرت سے سفارش کرنا پڑی۔ لو یہ لقمہ اللہ کی طرف سے ہے۔

''بہجۃ الاسرار'' میں لکھا ہے کہ سیدنا عبدالقادر جیلانی قطب الارشاد اور مردِ کامل تھے اور اولیاے امت کے سربراہ تھے۔ حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''نفحات الانس'' میں لکھا ہے کہ حضرت غوث الاعظم فرماتے ہیں کہ جن دنوں میں ریاضت و مجاہدہ کے مراحل طے کر رہا تھا میرے پاس ایک مانوس صورت شخص آیا اور کہنے لگا۔ تم میری مجلس میں بیٹھنا پسند کرو گے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں! وہ شخص کہنے لگا: مگر میرے کسی معاملے میں دخل نہ دینا۔ میں نے ہاں کر لی۔ اس نے ایک جنگل کے ایک گوشے میں لے جا کر مجھے کہا، یہاں بیٹھ جاؤ، جب تک میں نہ آؤں کہیں نہیں جانا۔ وہ چلا گیا۔ سال گزر گیا مگر میں اسی گوشے میں بیٹھا رہا۔ سال کے بعد آیا میرے ساتھ چند لمحے بیٹھا اور اٹھ کر جاتے ہوئے کہنے لگا، جب تک میں نہ آؤں کہیں نہ جانا۔ ایک سال مزید گزر گیا۔ وہ پھر آیا اور اپنے ساتھ ایک روٹی اور دودھ کا ایک پیالہ لایا، مجھے کھلا کر کہنے لگا، اب اٹھو، اب بغداد چلتے ہیں، مجاہدہ ہو چکا۔ آج کے بعد بغداد شہر میں عوام کی راہ نمائی کرنا ہے۔ ہم بغداد پہنچے۔ فرمانے لگے، میں خضر ہوں۔ مجھے حکم ہوا تھا کہ آپ کے ساتھ کھانا کھاؤں، آپ کو کھلاؤں، بیابانوں سے اٹھا کر شہر لاؤں اور خلقِ خدا کی ہدایت کے لیے آپ کو مسندِ ارشاد پر بٹھاؤں۔

''قلائد الجواہر'' میں لکھا ہے کہ حضرت غوث اعظم کے پاس خضر علیہ السلام کا آنا جانا رہتا تھا۔ آپ انھیں بے تکلفی سے ''اسرائیلی'' کہہ کر پکارتے تھے۔ ایک دن حضرت خضر گزر رہے تھے تو سیدنا غوث اعظم نے آواز دے کر فرمایا: ''اسرائیلی! آؤ محمدی کی مجلس میں بیٹھو۔'' مگر حضرت خضر طرح دے کر نکل گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام، خضر کے پاس چل کر آئے تھے مگر خضر خود سیدنا غوث اعظم کے پاس چل کر بار بار آتے تھے۔ یہ مقام ''قطب الارشاد'' کا ہے اور یہ مرتبہ سید الانبیا کا عطا کردہ ہے۔

ع: جنابِ خضر سے اونچا مقام ہے تیرا

سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی مجالس میں اکثر رجال الغیب حاضر ہوتے۔ یہ وہ رجال الغیب تھے جنھیں حضرت خضر کی زیارت ہوتی تھی، راہ نمائی ملتی تھی۔ یہ حضرات حضرت سیدنا غوث اعظم کے حلقہ میں دست بستہ کھڑے رہتے تھے۔ حالاں کہ ان رجال الغیب کا مشرق و مغرب پر تصرف تھا اور حضرت فرماتے۔

و من فی اولیاء اللہ مثلی
و من فی العلم و التصریف حامی

اولیاء اللہ میں میرے جیسا کون ہے؟ میرے تصرف اور علم کا مقابلہ کون کر سکتا ہے؟

محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ (شیخ اکبر):

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ مختلف علوم کے بحر بے کراں تھے، روحانیت کے بحر زخار تھے، غواص بھی تھے اور شناور بھی۔ آپ کی تصانیف نے دنیاے تصوف میں اپنا مقام پیدا کیا اور دنیاے تصوف کے تمام اکابرین ان میں مندرج اسرار و رموز کا مطالعہ کرنے میں مستغرق رہتے۔ ۶۰۱ھ میں حضرت ابن عربی پہلی بار بغداد تشریف لائے تو صرف بارہ دن کے لیے رُکے۔ حالاں کہ یہ شہر عظیم سیدنا غوث اعظم عبدالقادر جیلانی کا دار الارشاد تھا۔ اور حضرت ابن عربی نے فیضانِ قادریہ کے چشموں سے بغداد میں ہی آبِ زُلال پیا تھا۔ آپ کا روحانی سلسلہ بلا واسطہ حضرت غوث الاعظم سے ملتا ہے اور خرقہ کا حصول بھی آپ ہی سے ہوا تھا۔ بغداد میں چند روز ٹھہرے اور موصل روانہ ہو گئے جہاں عبد اللہ بن جامع سے ملاقات کی۔ ان سے اسراری علوم حاصل کیے۔ عبد اللہ بن جامع رحمۃ اللہ علیہ حضرت خضر علیہ السلام سے راہ و رسم رکھتے تھے۔ اسی شہر میں عالی بن جامع نے حضرت ابن عربی کو خرقہ پہنایا تھا جو حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے دیا تھا۔ حضرت ابن عربی فرماتے ہیں کہ میں اس اعزاز سے پہلے حضرت خضر علیہ السلام کی وساطت سے حضرت تقی الدین عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ سے ملا تھا۔ حضرت ابن عربی فرماتے ہیں کہ میں نے کعبۃ اللہ میں حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کر خرقۂ طریقت حاصل کیا تھا اور یہ خرقہ حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے پہنایا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام فرماتے تھے کہ یہ خرقہ مجھے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں اپنے دستِ مبارک سے عنایت فرمایا تھا تا کہ ابن عربی کو پہناؤں۔

حضرت ابن عربی فرماتے ہیں: ایک دن میں تیونس کی بندرگاہ پر کھڑا تھا۔ میں نے وسیع سمندر کی لہروں پر نظر ڈالی تو چاند کی روشنی میں دور تک پھیلتی ہوئی لہریں نظر آ رہی تھیں، غالباً یہ چودھویں رات کا چاند تھا۔ میں نے دیکھا کہ یہ شخص سمندر کی ان لہروں پر سے چلا آ رہا ہے۔ کنارے پر آیا تو میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔ میں نے اس کے قدم دیکھے تو وہ خشک تھے۔ میں نے اس شخص کے ساتھ چند باتیں کیں۔ اس نے جو اسرار و رموز بتائے انھیں میں بتانے سے قاصر ہوں۔ چند لمحوں بعد وہ ''السلام علیکم'' کہتے ہوئے سمندر کی لہروں پر چلنے لگا۔ دور سمندر کے درمیان ایک ٹیلہ تھا جہاں کی روشنیاں سمندر میں چلنے والی کشتیوں اور جہازوں کی راہ نمائی کرتی تھیں۔ وہ ٹیلہ کنارے سے دو میل دور تھا۔ وہ شخص چلتا چلتا چند لمحوں میں وہاں جا پہنچا۔ مگر میں نے دیکھا کہ اس کی ایڑیاں خشک ہیں۔ میں نے اس کی آواز سنی وہ ٹیلے پر کھڑا ہو کر اللہ کی حمد اور تسبیح بیان کر رہا تھا۔ دوسرے دن شیخ جراح بن خمیس کتانی سے ملاقات کرنے آیا تو مجھے گلی میں ایک نیک صالح شخص ملا، اس نے پوچھا، کل رات کشتی کے پاس سمندر کے کنارے پر آپ حضرت خضر علیہ السلام سے ملے تھے؟ یہ ملاقات کیسی رہی؟ انھوں نے آپ سے کیا کیا باتیں کی تھیں؟

شیخ ابن عربی اپنی مشہور کتاب ''فتوحات مکیہ'' میں لکھتے ہیں: میں محرم ۵۹۷ھ کو ایک قصبہ میں پہنچا۔ میں ان دنوں بلادِ مغرب کا سفر کر رہا تھا۔ مجھے حیرت نے دبا لیا۔ میں وحشت محسوس کرنے لگا۔ میں اس وقت تک مقامِ حیرت سے بھی واقف نہ تھا۔ عصر کی نماز کے بعد میں ایک راز داں دوست کے مکان پر گیا، اس سے اپنی حیرت اور وحشت کی کیفیت بیان کی۔ میں نے وہاں ایک شخص کا سایہ دیکھا۔ میں اٹھا شاید یہ آنے والا میری اس کیفیت سے آگاہ ہو کر کوئی تدبیر نکال لے۔ میں نے دیکھا وہ شیخ عبد الرحمٰن السلمی تھے۔ حالاں کہ انھیں فوت ہوئے ایک عرصہ گزر چکا تھا۔ میں نے دیکھا ان کی روح مجسم ہو کر میرے سامنے آ گئی ہے۔ میں نے اپنی کیفیت بیان کی۔ فرمانے لگے، گھبرایئے نہیں بعض اوقات مسافر کو وحشت گھیر لیا کرتی ہے۔ پھر فرمایا: فکر نہ کرو اللہ کی عنایت تمہارے شاملِ حال ہوگی۔ میں نے دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام میرے

سامنے کھڑے ہیں، فرمایا: یہ ''مقامِ قرب'' ہے اور تمھیں یہ مقامِ قرب مبارک ہو۔ (ماخوذ از ''نفحات الانس'')

حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ:

حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اپنی مسجد میں جلوہ فرما ہیں۔ آپ کے اردگرد علماے کرام کا ایک حلقہ ہے۔ ایک اجنبی شخص مجلس میں آیا اور پوچھا: احمد بن حنبل کون ہیں؟ حضرت نے فرمایا، میں ہوں! فرمائیے آپ کو کیا کام ہے؟ اس نے فرمایا کہ میں نو سو میل سے چل کر آیا ہوں، مجھے بیابانوں اور دریاؤں سے گزرنا پڑا ہے۔ مجھے ایک شخص ملا وہ مجھ سے پوچھ رہا تھا تم امام احمد بن حنبل کو جانتے ہو؟ کبھی ان سے ملاقات ہوئی ہے؟ میں نے جواب دیا: میں انھیں نہیں جانتا۔ اس نے کہا: تم بغداد شہر جا کر ان کا پتہ کرو۔ ان سے ملاقات ہو تو کہنا کہ خضر آپ کو سلام کہتے ہیں اور پیغام دیتے ہیں کہ آسمانوں کا مالک اللہ ہے۔ عرش کا مالک اللہ ہے۔ سیاہ وسفید کا مالک اللہ ہے۔ وہ آپ سے راضی ہے۔ تمام ملائکہ آپ سے خوش ہیں۔ اللہ کے راضی اور فرشتوں کے خوش ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے خلق قرآن کے مسئلہ پر نہایت استقامت دکھائی ہے۔ (جامع کرامات اولیا جلد دوم)

حضرت نظامی گنجوی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت نظامی گنجوی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے عالم، شاعر اور مورخ ہوئے ہیں۔ آپ نے مشہور عالم کتاب ''سکندر نامہ'' لکھی ہے۔ آپ نے حضرت خضر علیہ السلام کی نہ صرف زیارت کی تھی، بلکہ ان سے تعلیم بھی حاصل کی تھی۔ وہ فرماتے ہیں:

ع: مرا خضر تعلیم گر دوش بود!

''مجھے خضر علیہ السلام کل رات پڑھا رہے تھے۔''

حضرت نظامی گنجوی اپنے دور کے بلند پایہ عالم دین تھے۔ ان کی تصانیف اسرار الٰہیہ کا خزانہ ہیں۔ ''سکندر نامہ'' ان کی معرکہ آرا تصنیف ہے۔ آپ نے گوشہ نشیں رہنے کے باوجود سکندر نامہ لکھا جس میں بادشاہانِ وقت کی نہ صرف تاریخ مرتب کی بلکہ جنگی مہمات اور معرکہ آرائیوں کو سامنے لائے۔ آپ علمِ کیمیا، سیمیا، ہیمیا کے بھی ماہر تھے اور ایک گوشہ میں بیٹھے تمام دنیا کے حالات آئینۂ جہاں نما سے معلوم کر لیتے تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام نہ صرف آپ کے استاذ تھے، بلکہ آپ کے پاس آتے، آپ کی تنہائیوں میں رفیق و دم ساز ہوتے اور سارے جہان کے حالات سے باخبر رکھتے۔ آپ کے متعلق ''لطائف اشرفی'' نے بڑی عمدہ گفتگو کی ہے۔

حضرت احمد بن علوی رحمۃ اللہ علیہ:

''تذکرۃ الاولیا'' میں شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام، احمد بن علوی کی مجالس میں اکثر آیا کرتے تھے اور دیر تک راز و نیاز کی باتیں کرتے رہتے۔ آپ کے ایک مرید عوض با مختار تھے۔ انھیں حضرت خضر سے ملنے کا بڑا شوق تھا۔ ایک دن عرض کی: حضور! مجھے بھی حضرت خضر سے ملوا دیں۔ آپ نے فرمایا: تم ان سے مل تو لوگے مگر وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے اور پروا نہیں کرتے۔ ایک دن با مختار ایک بیابان جنگل میں جا رہے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک شخص بادامی لباس میں دیہاتی وضع قطع میں آپ کے سامنے آ گیا۔ آپ انھیں پہچان نہ سکے۔ جب وہ ذرا دور ہو گیا تو اس شخص نے پلٹ کر کہا: تمہارا کام ہو جائے گا، میں خضر ہوں۔ اپنے مرشد شیخ احمد کو میرا سلام کہہ دینا۔ یہ سن کو عوض نے کہا، ذرا رکیے! میں آپ کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت خضر نے کہا تمھیں اپنے مرشد کی بات یاد نہیں رہی۔ یہ کہہ کر غائب ہو گئے۔

شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ:

شیخ ابو الفتح شاہ رکن الدین رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ سلسلۂ سہروردیہ کے سب سے بڑے ولی اللہ ہوئے ہیں۔ آپ شیخ صدر الدین سہروردی کے بیٹے اور خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی کے پوتے تھے۔ ابھی آپ چار سال کے تھے کہ اپنے دادا حضرت شیخ بہاء الدین سہروردی کی دستار اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی۔ آپ کے والد صدر الدین نے بچے کو جھڑکا کہ یہ بے ادبی ہے۔ حضرت زکریا ملتانی نے فرمایا: صدر الدین! اسے کچھ نہ کہو، یہ اس کا حق ہے، اس نے اپنا حق حاصل کیا ہے، آج کے بعد یہ دستار اس بچے کی ملکیت ہوگی۔ تمھیں معلوم نہیں یہ دستار مجھے حضرت خضر نے پہنائی تھی اور یہ میرے پوتے رکن عالم کی امانت ہے۔

☆☆☆☆

بزمِ دانش | فکر و نظر | مستقل کالم

ہندوستان میں اقلیتوں کے مسائل
اسباب و تدارک

''**بزمِ دانش**'' میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم اربابِ قلم اور علماے اسلام کو آواز دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: مبارک حسین مصباحی

جنوری ۲۰۱۰ء کا عنوان   ادبی تنقید کا اسلامی نقطۂ نظر

فروری ۲۰۱۰ء کا عنوان   نکسلائٹ تحریک: ملکی امن و استحکام کے لیے سب سے بڑا چیلنج

صرف حکومت کی بے توجہی کا شکوہ کر کے معاشی بد حالی کا قلع قمع نہیں کیا جا سکتا

ہندوستانیوں کی طویل جد وجہد کے بعد جب ۱۵/ اگست ۱۹۴۷ء کو آزادی کی پہلی کرن پھوٹی تو ہندوستانی قوموں نے ایک پر امن معاشرہ اور خوب صورت مستقبل کے تصور سے اطمینان کی سانس لی۔ ہندوستان میں بسنے والے تمام طبقات کو اپنے جان و مال، عزت و آبرو اور مذہبی و ملی حقوق کے تحفظ کا یقین ہو گیا۔ انھوں نے اپنے دل میں ہندوستان کی تعمیر و ترقی کے لیے بڑے حسین خواب سجائے، لیکن ان کے یہ خواب کس حد تک شرمندۂ تعبیر ہو سکے اس کا اندازہ معروف صحافی مولانا مبارک حسین مصباحی کے اس اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے:

''آزادیِ ہند کے بعد یہ امید تھی کہ ہمارا ملک جمہوری اقدار کے سایہ میں ترقی کرے گا۔ امن و شانتی کی خوش گوار ہوائیں خاکِ ہند کی زرخیزی میں اضافہ کریں گی، خوش رنگ گلوں کا یہ حسین گلدستہ اپنی عطر بیز خوشبوؤں سے ہر صحن چمن کو مہکا دے گا، مگر یہ خوب صورت خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ اکثریتی فرقے نے اپنی طاقت و تعداد کا غلط فائدہ اٹھا کر ہندو احیا پرستی کی مہم چھیڑی اور تعلیم و تہذیب سے سیاست و صحافت تک اور تجارت و معیشت سے سماج و معاشرہ تک اسلام بیزاری کی فضا پیدا کر دی۔ دن کے اجالے میں جمہوریت و یک جہتی کے نعرے لگتے اور رات کے اندھیرے میں مسلمانوں کے دینی و قومی سرمایہ پر شب خون مارنے کے منصوبے بنتے رہتے۔ اس جمہوریت کش اور جارحیت پسند سیاسی فکر و عمل کا سب سے بڑا نقصان اسلام اور اسلامیانِ ہند کو پہنچا اور آج بھی یہ قیامت خیز طوفان آگ کا بگولہ بن کر مسلم آبادیوں کو خاکستر کرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔'' (مقدمۂ نقوشِ فکر، ص: ۲۵، مطبوعہ اسلامک پبلشرز، دہلی)

اکثریتی فرقے کی ان خطرناک سرگرمیوں نے ہندوستانی اقلیتوں کو سیاسی، سماجی، معاشی، اقتصادی اور ثقافتی میدانوں میں اس قدر بے بس کر دیا ہے کہ ان کی ترقی کی راہیں مسدود ہو کر رہ گئی ہیں۔ خصوصاً مسلم اقلیت مسائل کے گھیرے میں اپنے وجود کی بقا کے لیے تگ و دو کر رہی ہے، اس وقت اس کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ اپنے دینی تشخص اور قومی وقار کے تحفظ کا ہے، قدم قدم پر ان کی عزت و آبرو کا امتحان ہو رہا ہے، ان کی وفاداری کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا جا رہا ہے۔ ان کی تہذیب و ثقافت کو ملیامیٹ کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں، ان کے تعلیمی اداروں کو دہشت گردی کا اڈہ کہہ کر ان کی شکست و ریخت کے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ عدلیہ کا کردار بھی جانب دارانہ ہے۔ وقفے وقفے سے ایسے فیصلے سامنے آتے ہیں جو اسلامی اصولوں سے متصادم اور مسلمانوں کے جذبات کو بھڑکانے

والے ہوتے ہیں۔ جذبات سے مغلوب بے چارے مسلمان ان ہی مسائل میں الجھ کر رفتہ رفتہ ترقی کے دھارے سے الگ ہوتے جارہے ہیں۔

اقلیتوں کا ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ انھیں سرکاری ملازمتوں میں خاطرخواہ نمائندگی نہیں دی جاتی۔ خصوصاً مسلم اقلیت کے ساتھ امتیازی اور متعصبانہ رویہ برتا جاتا ہے۔ بعض اقلیتوں کے لیے تو ریزرویشن اور خصوصی مراعات بھی ہیں، لیکن جب مسلمانوں کے ریزرویشن کی بات کی جاتی ہے تو مستقل یہی کہا جاتا ہے کہ مذہب کی بنیاد پر کوئی ریزرویشن نافذ نہیں کیا جاسکتا لیکن اس حقیقت سے آنکھیں چرالی جاتی ہیں کہ شیڈول کاسٹ حضرات کی فہرست اور انھیں دی گئی مراعات بھی مذہب ہی کی بنیاد پر محدود ہیں۔ سچر کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی حصے داری کے جو حیرت انگیز اعداد و شمار سامنے آئے ہیں وہ نہایت تشویش ناک ہیں، سچر کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق مسلمان مزدور باقاعدہ تنخواہ والے کاموں میں بہت کم پائے جاتے ہیں، یعنی زیادہ تر مسلم آبادی Casual Work کے طور پر اپنی زندگی بسر کرتی ہے۔ اکثریتی فرقے کی ۲۵/ فیصد آبادی ریگولر Regular سرکاری ملازمتوں میں ہے اور اس کے مقابلے میں مسلم آبادی کا ۱۳/ فیصد تناسب ہی Regular Job یعنی مستقل ملازمت سے منسلک ہے۔

اگر سرکاری ملازمتوں کا جائزہ لیا جائے تو اعلیٰ مقام تو جانے دیجیے بابو اور چپراسی جیسے عہدوں پر بھی مسلمان اب ڈھونڈنے سے ہی ملتے ہیں۔ سچر کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق مسلمانوں کی ۱۲/ فیصد آبادی سڑکوں پر پٹری لگا کر سامان بیچ کر اپنی زندگی بسر کررہی ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ حکومت کا تعاون نہ ہونے کے باوجود مسلمانوں کا ایک طبقہ معاشی اعتبار سے خاصا ترقی پذیر ہے اور خوش حالی کی زندگی گزار رہا ہے۔ وہ مسلم برادریاں بھی ترقی کی راہ پر گام زن ہیں جو کسی مخصوص صنعت و حرفت سے جڑی ہوئی ہیں اور مسلسل محنت کررہی ہیں۔ کے جانب دارانہ رویے کے باوجود محنت و مشقت اور اعلیٰ تعلیم کے ذریعہ ملازمتوں میں اپنی نمائندگی بڑھائی جاسکتی ہے، صرف حکومت کی بے توجہی کا شکوہ کرکے معاشی بدحالی کا قلع قمع نہیں کیا جاسکتا۔

ہندوستانی اقلیتوں کا سب سے بنیادی اور اہم مسئلہ تعلیم کا ہے۔ اقلیتیں اپنی معاشی و اقتصادی پس ماندگی کے سبب اعلیٰ تعلیمی اداروں تک نہیں پہنچ پاتیں۔ ان کے لیے روزمرہ کے اخراجات کا پورا کرنا ہی ایک سنگین مسئلہ ہوتا ہے، پھر مہنگائی کے اس دور میں اعلیٰ تعلیمی اداروں کے کثیر اخراجات کا بوجھ ان کے ناتوان کندھے کیسے برداشت کرسکتے ہیں، اقلیتوں کی معاشی بدحالی کے پیشِ نظر تمام تعلیمی اداروں میں ان کے لیے ریزرویشن اور خصوصی مراعات ہونی چاہیے۔ تعلیمی میدان میں مسلم اقلیت تشویش ناک حد تک پچھڑی ہوئی ہے۔ مسلمانوں کی تعلیمی پس ماندگی میں جہاں ان کی کوتاہی اور تساہلی کا دخل ہے، وہیں حکومتِ وقت کی بے توجہی اور فرقہ پرست طاقتوں کی سازشوں کا بھی ہاتھ ہے، مسلمانوں کو تعلیم سے دور رکھنے کے لیے کس طرح کی نت نئی کوششیں کی جارہی ہیں، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے حالیہ بحران کے عوامل و اسباب پر غور و خوض کرکے اس کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ چند دنوں قبل بی. ایس. سی. کے طالب علم شاہ نواز عالم کے قتل کے بعد یونیورسٹی کے حالات اس قدر بگڑے کہ وائس چانسلر کو یونیورسٹی بند کرنے کا فیصلہ لینا پڑا۔ لیکن آپ کو یہ جان کر بڑی حیرت ہوگی کہ شاہ نواز کا قتل ان مسلم دشمن عناصر کے اشارے پر ہوا جنھیں مسلمانوں کے اس تعلیمی ادارے کی سرسبز و شادابی قطعاً نہیں بھاتی۔ وائس چانسلر پی. کے. عبدالعزیز نے اساتذہ اور مختلف فیکلٹیز کے سربراہان کی ایک میٹنگ میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ”اس ہنگامے میں بہت سے ایسے لوگ بھی شامل ہیں جن کا یونیورسٹی سے کوئی تعلق نہیں، ہمیں ان سماج دشمن عناصر کے منصوبوں کو ناکام بنانے کے لیے موثر لائحہ عمل تیار کرنا ہوگا۔“

میری ناقص رائے کے مطابق اقلیتوں کی معاشی و اقتصادی پس ماندگی کا اصل سبب بھی تعلیم کا فقدان ہے خصوصاً مسلم معاشرے میں اعلیٰ تعلیم تو دور، بنیادی تعلیم کا بھی عام رجحان نہیں بن پایا ہے، مجھے یقین ہے کہ گر اقلیتوں نے اس مسئلے کا حل ڈھونڈ لیا تو دوسرے تمام مسائل خود بخود حل ہوتے جائیں گے۔ سیاسی سطح پر دیکھا جائے تو اقلیتوں کے مسائل مختلف ہیں، بعض اقلیتیں شیڈول کاسٹ کی فہرست میں شامل ہیں اور بعض اقلیتوں نے اپنی حد درجہ پس ماندگی کے باوجود آپسی اتحاد کے ذریعہ اپنی سیاسی حیثیت مستحکم کرلی ہے۔ لیکن مسلمان اس میدان

میں بھی انتشار کے شکار ہیں، مسلم قیادت منتشر ہو چکی ہے۔ سیاسی پارٹیوں کو مسلم ووٹ سے تو دل چسپی ہوتی ہے لیکن مسلم مفادات سے انھیں کوئی رغبت نہیں، مسلم اقلیت ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت ہونے کے باوجود ہندوستانی سیاست میں اپنا مقام نہیں بنا سکی ہے، کیوں کہ مسلمانوں نے مومنانہ بصیرت اور فکر و تدبر سے کام لینا چھوڑ دیا ہے اور سیاسی بازی گروں کے بہکاوے میں آکر مختلف خانوں میں بٹ گئے ہیں۔
مسلمان آج بھی اگر اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کریں اور فکر و تدبر سے کام لیں تو بساطِ سیاست پر ایک بڑی طاقت بن کر ابھر سکتے ہیں۔ اس کی واضح مثال اترپردیش کی ”ہریجن قوم“ ہے جو اقلیت میں ہونے کے ساتھ ساتھ حد درجہ پس ماندہ بھی ہے۔ لیکن اس نے اتحاد و اتفاق کا نمونہ قائم کیا اور اترپردیش کی سیاست میں ایک مثالی طاقت بن کر ابھری۔ اقلیتوں کو صحافت کے میدان میں بھی اپنی نمائندگی بڑھانی ہوگی تاکہ ان کی ضروریات اور ان کے مسائل سامنے آسکیں، ان کی آواز دور تک پہنچ سکے۔ اقلیتوں کے چند مسائل کا یہ اجمالی خاکہ ہے ورنہ حال یہ ہے کہ۔

ایک ہنگامۂ محشر ہو تو اس کو بھولوں   سیکڑوں باتوں کا رہ رہ کے خیال آتا ہے

زندہ قوموں کی کامیابی کا راز اتحاد اور جد و جہد میں مضمر ہے

یہ وقت کا المیہ نہیں تو اور کیا ہے کہ آزادی کی چھ دہائیاں گزر جانے کے بعد بھی عالمی سطح پر سیکولر اور جمہوری کہلانے والے ملک ہندوستان میں اقلیتوں کے ساتھ عموماً اور مسلمانوں کے ساتھ خصوصاً سوتیلا رویہ اپنایا جارہا ہے۔ ان کے سامنے آئے دن نت نئے مسائل پیش آرہے ہیں۔ مثال کے طور پر فسادات کے نام پر مسلمانوں کی نسل کشی کا سلسلہ بھی جاری ہے اور سرکاری ملازمت میں ان کی عدم شمولیت یا برائے نام شمولیت میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ بے روزگاری کا جان لیوا مرض بدستور باقی ہے۔ قانون ساز اداروں میں ان کی نمائندگی آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ سیاسی جماعتوں میں انھیں وہ مقام نہیں مل پارہا ہے جس کے وہ بجا طور پر مستحق ہیں۔ ایسا کیوں؟ صرف اور صرف اس لیے کہ مسلمانوں کا وجود حرفِ غلط کی طرح مٹ جائے اور وہ سیاسی، سماجی، اقتصادی، ثقافتی بلکہ ہر حیثیت سے مجبورِ محض بن کر رہ جائیں۔ جہاں تک ہر شعبے میں ہماری پس ماندگی کا سوال ہے تو اس کی وجہ ظاہر ہے۔ مسلمان تقسیم ہند کے بعد فسادات میں الجھائے گئے تاکہ وہ ترقی کے دھارے سے الگ رہیں، لیکن اسلام دشمن طاقتوں کا اس سے یہ سمجھ لینا کہ مسلمانوں کا کلی طور پر استیصال ہوجائے گا، یہ ایسا خواب ہے جو انشاء اللہ کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو پائے گا۔ اقبال نے ایسے ہی نہیں کہہ دیا تھا۔

کیا بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری   صدیوں رہا ہے دشمن دورِ زماں ہمارا

بہرحال مسلم اقلیت کے مسائل انتہائی نازک اور پیچیدہ ہیں، جو ملک میں آباد کروڑوں فرزندانِ اسلام، بالخصوص دردمندانِ ملت کے لیے چیلنج بنے ہوئے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم اخلاص، اتحاد اور متواتر جد و جہد کے کیل کانٹے سے لیس ہو کر میدانِ عمل میں آئیں اور الجھے ہوئے مسائل کا مناسب حل تلاش کریں، کیوں کہ زندہ قوموں کی فلاح و کامرانی کا راز اسی میں مضمر ہے۔

معاشی مسائل:- مسلمانوں میں غیر معمولی اقتصادی کم زوری تقسیم ہند کے بعد در آئی ہے۔ ہُوا یوں کہ مسلمانوں کا جو متمول اور سرمایہ دار طبقہ تھا وہ اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کی خاطر دیارِ غیر میں چلا گیا۔ تقسیم ہند کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً ساڑھے تین کروڑ تھی جو معمولی کاشت کار یا چھوٹے بنکروں اور دیگر صنعتوں میں مزدوری کرکے غریبی اور تنگ دستی کی زندگی گزر بسر کررہی تھی اور آج جب کہ مسلمانوں کی تعداد بیس کروڑ سے بھی زیادہ ہے، پھر بھی وہ معاشی اعتبار سے مستحکم نہیں ہو پائے ہیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ مختلف شعبوں کی سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی حصہ داری کا فقدان بھی ہے جو تنگ نظر اور متعصب حکومت کی جانب داری اور مسلم دشمنی کا نتیجہ ہے۔ مسلمانوں کو ملازمت کے لیے مخصوص قسم کی دوربین و خوردبین سے دیکھا جانے لگا ہے جس سے دل برداشتہ ہو کر ایک بڑی تعداد نے سرکاری ملازمتوں کے حصول کی کوششیں بھی چھوڑ دی ہیں۔ مولویوں اور داڑھی والوں کو تو کسی شعبے میں لائق اعتبار گردانا ہی نہیں جاتا۔ میں اپنے ایک رفیقِ درس کا واقعہ خود ان کی زبانی بتاتا ہوں کہ انھیں بینک کی ملازمت سے صرف اس لیے ہاتھ دھونا پڑا

کہ وہ داڑھی رکھتے تھے۔ حال میں داڑھی سے متعلق ''جسٹس کاٹجو'' کا تبصرہ ہمارے سامنے ہے۔ کس طرح انھوں نے ہمارے مذہبی معاملے میں دخل اندازی کی اور کروڑوں مسلمانوں کے مذہبی جذبات سے کھلواڑ کیا۔ بہر کیف ہمارا ماننا ہے کہ جہاں سرکاری سطح پر مسلم برادری کو اقتصادی حمایت حاصل نہیں ہے وہیں مسلمانوں کی خود اپنی تساہلی، تن آسانی اور عیش کوشی بھی ان کی معاشی بدحالی کا سبب ہے۔ آپ غیر مسلموں کو دیکھیے! تلاشِ معاش میں کس قدر سرگرم نظر آتے ہیں، معاش کے کسی نہ کسی ذریعہ سے ضرور جڑے رہتے ہیں، ایک بار ناکام ہوئے، دوبارہ کوشش کی، دوبارہ ناکام ہوئے، اگلی بار کوشش کی، بالآخر کہیں نہ کہیں اپنے متعلقہ اہداف کے حصول میں کامیابی سے ہم کنار ہو ہی جاتے ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں کو بھی دوسرے کے دست نگر رہنے کے بجائے اپنے مستقبل کو روشن اور تابناک بنانے کے لیے حتی الامکان جدوجہد کرنا ہوگا کیوں کہ یہی ایک ایسا شعبہ ہے جس میں کامیابی پالینے کے بعد سیکڑوں مسائل کے زلفِ برہم کو سنوارنا آسان ہو جائے گا۔ ساتھ ہی حکومت سے اپیل کی جائے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ اپنی منافقانہ پالیسی چھوڑ دے کہ جہاں یہ ہندوستانی آئین اور جمہوری اقدار کے منافی ہے وہیں ملک کی سالمیت اور استحکام کے لیے بھی سمِ قاتل ہے۔

تعلیمی مسائل:— ملک و قوم کو داخلی و خارجی سطح پر جو چیز مضبوط اور مستحکم کر سکتی ہے اور جس سے اپنا کھویا ہوا وقار دوبارہ بحال کیا جا سکتا ہے وہ تعلیم اور صرف تعلیم ہے۔ ایک زمانے تک مسلمان بھی تعلیم کی بدولت دیگر قوموں سے ترقی یافتہ شمار کیے جاتے تھے۔ مگر آج عصرِ حاضر کے تناظر میں یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ مسلمان تعلیم، ٹکنالوجی اور جدید ذرائع و وسائل کے لحاظ سے بہت پچھڑی ہوئی قوم ہے۔ اگر دیگر قوموں کے مقابلے مسلمانوں کی شرحِ خواندگی کا سروے کیا جائے تو شرم ناک فی صد سامنے آئے گی۔ ایسا بھی نہیں کہ مسلم طلبہ تعلیم و تعلم کی فطری صلاحیتوں سے عاری ہوتے ہیں، پھر اس کے اسباب و مضمرات کیا ہو سکتے ہیں؟ غور کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ بہت سے والدین اپنے بچوں کو اس لیے تعلیم نہیں دے پاتے کہ وہ معاشی اعتبار سے مفلوک الحال ہوتے ہیں اور بمشکل تمام اپنے گزر بسر کا انتظام کرتے ہیں۔ ظاہر سی بات ہے کہ ان حالات میں وہ اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم گاہوں میں بھیج کر ان کی تعلیم کے اخراجات کب برداشت کر پائیں گے؟ مزید برآں ملک کی کوئی ایسی جماعت یا تنظیم بھی نہیں ہے جو بے روزگار مسلم افراد کے اضطراب اور بے چینی کو دور کرے۔ اس لیے میرے نزدیک متعلقہ مسئلے کا حل یہ ہے کہ مسلمان، معاشیات کے میدان میں اپنے قدم جمائیں اور حکومت کو چاہیے کہ اقلیتوں کو خصوصی مراعات فراہم کرے اور اب تک کے شدید مطالبات کے بعد جو انھیں ریزرویشن نہیں مل پایا ہے، اسے نافذ کیا جائے۔

سیاسی مسائل:— سیاسی میدان میں مسلمانوں کی برائے نام نمائندگی ایک اہم مسئلہ ہے۔ میدانِ سیاست میں مسلم سیاست کے فقدان نے مسلمانوں کو سیاسی طور پر منتشر کر کے رکھ دیا۔ مسلمان مختلف جماعتوں میں بٹ کر اپنی سیاسی وقعت کھو چکے ہیں۔ حیرت اس بات پر ہے کہ مسلمانوں کو سیاسی طور پر مضبوط کرنے کے لیے جس قدر مسلم قیادت کی ضرورت ہے، اسی قدر مسلمان سیاسی سطح پر روبہ زوال ہیں۔ پارلیمانی نشستوں پر ان کی نمائندگی، ان کی آبادی کے تناسب سے بہت کم ہے، بلکہ بتدریج گھٹتی جارہی ہے۔ اسمبلی حلقوں میں مسلم عوام کی گرفت ڈھیلی پڑ رہی ہے۔ سیاسی میدان میں ہماری یہ غیر موجودگی کافی نقصان دہ ثابت ہو رہی ہے، اس کے باوجود بعض حضرات اسے ''شجرِ ممنوعہ'' قرار دیتے ہیں۔ ہم ان کی نیت اور خلوص پر حملہ نہیں کرنا چاہتے، تاہم وقت اور حالات کے پیشِ نظر اس سوچ میں تبدیلی ناگزیر ہے۔ مثال کے طور پر کوئی بات حکومت سے منوانا چاہتے ہیں تو پارلیمنٹ اور اسمبلی میں ہماری خاطر خواہ نمائندگی بھی ہونی چاہیے جس کے ذریعہ حکومت کی توجہ اپنی جانب مبذول کر سکیں۔

میڈیا کا کردار:— دورِ حاضر میں میڈیا کی ناقابلِ تسخیر قوت تسلیم کی جا چکی ہے۔ اس کے باوجود میڈیائی دوڑ میں ہماری شکستہ پائی ظاہر ہے۔ حالاں کہ یہ ملت کی ترقی اور فلاح و بہبود کا ایک موثر اور نتیجہ خیز شعبہ بن سکتا ہے۔ اس کی اہمیت اس وقت تو اور دوچند ہو جاتی ہے جب اسلام مخالف عناصر کے زیرِ اثر پلنے والی میڈیا کی اسلام دشمنی اسکرین پر ابھر کر سامنے آتی ہے۔ آج جو اسلامی افکار و نظریات پر بے ہنگم

اعتراضات ہو رہے ہیں، اس میں میڈیا نے افسوس ناک کردار ادا کیا ہے۔ اس لیے ملت کے بہی خواہوں سے گزارش ہے کہ اس جانب بھی عنانِ توجہ منعطف کرنے کی ضرورت محسوس کریں اور جو بے بنیاد باتیں ہمارے عقائد و نظریات کے متعلق رواج پا گئی ہیں ان کا تصفیہ کریں اور عالمی سطح پر اسلام اور اس کی آفاقی تعلیمات کا واضح تصور پیش کریں۔ خوشی ہوتی ہے کہ ادھر چند سالوں سے ہمارے علما و فضلا میں خاصی تبدیلی آئی ہے جس سے خوش آئند مستقبل کے امکانات وسیع ہو گئے ہیں۔

(سید محمد جید ربانی، جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف، ضلع اوریا)

مسلمانوں کے تمام مسائل کا حل صرف تعلیم ہے

آزادیِ ہند میں تمام اہلِ وطن نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ حصہ لیا۔ سب کا مچلتا شوق تھا کہ انگریزوں کے پنجۂ استبداد سے نجات کے بعد وہ ہند کی کھلی فضا میں آزادانہ زندگی بسر کر سکیں، مگر آزادیِ ہند کو ایک لمبا عرصہ بیت جانے کے باوجود ان کا یہ خواب آج تک شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ ہندوستان کے داخلی حالات کا بغور جائزہ لیا جائے تو بڑا قلق ہوتا ہے کہ جنگ آزادی میں حصہ لینے والے محبانِ وطن کے خون کو آج کس طرح رائیگاں کیا جا رہا ہے۔ ایک پر سکون ماحول کو مذہبی منافرت کے جذبے کے تحت پر آشوب بنا دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ شدت پسند عناصر کے گھناؤنے کرتوت نے ایسے مسائل کھڑے کر دیے ہیں جن کا حل ملک کی جمہوریت کے لیے ایک چیلنج ہے۔ اقلیتوں کے تحفظ، ان کے معاشی و اقتصادی استحکام اور مختلف شعبہ ہائے زندگی میں ترقی سے متعلق ہر طرح کے دفعات، دستورِ ہند میں محفوظ ہیں۔ ملک کے داخلی حالات پر نظر کریں تو اقلیتوں سے متعلق مسائل کا ایک انبار نظر آتا ہے۔ ملک کی سب سے بڑی اقلیت مسلمان ہیں جن کو اقلیت نہیں دوسری بڑی اکثریت کہنا چاہیے، لیکن ان کے حالات نہایت دل خراش ہیں۔ سب سے اہم مسئلہ تعلیم کا ہے۔ آج مسلم بچے تعلیم سے کورے ہیں، مسلم معاشرے میں تعلیم کا فقدان ہے۔ اگر کوئی مسلم تنظیم مسلمانوں کے تعلیمی استحکام کے لیے کوئی ادارہ کھولنے کی کوشش کرتی ہے تو حکومت کے متعصب کارندے منظوری دینے میں رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں۔ امتِ مسلمہ کی زبوں حالی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ بچوں کے والدین ان کی تعلیم پر توجہ نہیں دیتے بلکہ چھ سات کلاس تک پڑھا کر ہی پڑھائی بند کرا دیتے ہیں اور حکومت کی طرف سے بھی لاپروائی برتی جاتی ہے۔ آرٹیکل ۳۰۱ میں کہا گیا ہے کہ ''ہر اقلیت چاہے وہ مذہبی ہو یا لسانی اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق تعلیمی ادارے قائم کرے اور چلائے۔'' اس قانون کے تحت مسلمان اسکول کھول کر اپنے بچوں کو پڑھا سکتے ہیں اور زیورِ علم سے آراستہ کر سکتے ہیں۔ ہم کیوں حکومت کے محتاج بنے رہیں کہ جب وہ ہمارے علاقے میں اسکول کھولے گی تبھی ہم اپنے بچوں کو پڑھائیں گے۔ بڑے بڑے شہروں، قصبوں کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ بڑے بڑے اسکول اور کالج غیر مسلم تنظیموں کے تحت چل رہے ہیں اور یہ سب پرائیویٹ اسکول ہوتے ہوئے بھی سرکاری اسکولوں کی بہ نسبت اچھے طریقے سے چل رہے ہیں۔ لہٰذا ہم مسلمانوں کو خود مل کر کے مسلم اکثریتی علاقوں میں اسکول کھولنا چاہیے اور ان اسکولوں میں دینی و عصری علوم کی تعلیم کا انتظام مضبوط نظام کے ساتھ ہونا چاہیے۔

وہ قوم جو ہار کر اپنی قسمت کا رونا روتی ہے ایسی قوم دنیا کے کسی گوشے میں بھی ہو اس کے لیے زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ لیکن وہ قوم جس کو اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی جرأت ہو ایسی قوم بد ترین حالت میں بھی اپنی زندگی کو جنت بنا سکتی ہے۔ اسی قومِ مسلم کا ماضی بڑا شان دار تھا۔ مغل بادشاہوں کے زمانے میں انگریز سر جھکا کر آتے اور کاروبار کی اجازت مانگتے۔ اقلیت میں ہونے کے باوجود ہم مسلمانوں نے سرزمینِ ہند پر حکومت کی۔ اس لیے کہ اس دور کے مسلمانوں کے اندر حکومت کرنے کی صلاحیت موجود تھی۔ اکیسویں صدی کا مسلمان نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری دنیا میں بے سروسامانی کا شکار ہے۔ اس کی وجہ محض یہ ہے کہ اس کو اپنے زمانہ پر قدرت نہیں۔ آج کے زمانے پر قدرت کے لیے علم درکار ہے۔ مسلمان اس سے عاجز ہے۔ مسلمان انگریزی پڑھنے میں غفلت محسوس کرتا ہے، سائنس سے وہ کنارہ کش ہے۔ جب تک آپ تعلیم حاصل نہیں کریں گے آپ نہ سول سروس میں جا سکتے ہیں اور نہ سیاسی لیڈر بن سکتے ہیں۔ اس لیے تمام مسائل کا حل صرف اور صرف تعلیم ہے۔ تعلیم ہی بے یار و مددگار قوم کے لیے نسخۂ کیمیا ہے۔

دوسرا اہم مسئلہ معیشت کا ہے۔ عیسائی اقلیت کے لیے نہ تعلیم کا مسئلہ اہم ہے اور نہ ہی معیشت کا۔ اس لیے کہ یورپ اور امریکہ ہندوستان میں مقیم عیسائیوں کو ہم مذہب ہونے کی بنیاد پر مالی تعاون دیتے ہیں تاکہ وہ اسکول کھول سکیں یا کوئی کاروبار کرسکیں۔ معیشت کا مسئلہ بھی قوم مسلم کے لیے اہم ہے۔ اگر آپ کے پاس پیسے نہیں ہوں گے تو آپ بچوں کو پڑھا نہیں پائیں گے اور نہ کوئی تعلیمی ادارہ کھول پائیں گے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اسلامی نظریۂ معاشیات اپنا کر اقتصادیات کو مضبوط بنائیں۔ یہ امتِ مسلمہ کے لیے المیہ ہے کہ قوم مسلم دو حصوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ (۱) نہایت امیر۔ (۲) نہایت غریب۔ اس نظام کے مطابق ہندوستان میں رہنے والا رئیس مسلمان اپنے بینک بیلنس میں کروڑوں روپے جمع کرلیتا ہے جب کہ دوسرے مسلمان اپنی زندگی مفلسی میں گزارتے ہیں۔ ان پریشانیوں کا تدارک یہی ہے کہ اسلامی نظریۂ معیشت کو اپنایا جائے۔

اسلامی شریعت کے مطابق صاحبِ نصاب کو ڈھائی فی صد غریبوں، یتیموں اور دینی کاموں میں دینا چاہیے، تبھی ہر مسلمان خوش حال رہے گا۔ اقتصادیات کو سنوارنے کے لیے اسلام نے نیک کاموں مین خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اگر مسلمان اسلامی نقطۂ نظر سے معاشی معاملات حل کریں تو کوئی مسلمان گداگری کرتا ہوا نظر نہیں آئے گا۔ اس لیے مسلم امرا کو غریبوں اور فلاحی کاموں پر اپنے پیسے صَرف کرنے چاہیے۔ درج ذیل معاشی نکات پر عمل کرنے سے مسلمانوں کی معاشی حالت بہتر ہو سکتی ہے۔

(۱) بڑے بڑے شہروں میں امیر مسلمان اپنے غریب بھائیوں کے لیے غیر سودی بینک کھولیں تاکہ ان کو وہاں سے مدد فراہم کی جائے۔

(۲) مسلمان اپنے بھائیوں سے سامان خریدیں۔

(۳) تنظیم کے تحت اسکول بڑے بڑے شہروں میں کھولے جائیں اور اس کی آمدنی غریبوں پر صَرف کی جائے۔

(۴) مسلم اکثریتی علاقوں میں مسلمان مشورہ کرکے اپنے بھائی کو الیکشن میں جیت دلائیں تاکہ وہ جیت حاصل کرنے کے بعد پارلیمنٹ یا اسمبلی میں پہنچ کر مسلم مسائل کے حل کا مسئلہ اٹھاسکے، نیز وہ اپنے فنڈ سے غریب مسلمانوں کے لیے رقم فراہم کرے۔

تیسرا اہم مسئلہ اقلیتوں کے لیے فرقہ وارانہ تعصب اور دہشت گردی کا ہے۔ آج کے پر فتن دور میں خواہ وہ مسلم اقلیت ہو یا عیسائی اور سکھ، سب کے ساتھ اکثریتی فرقہ کے لوگ نفرت کا برتاؤ کرتے ہیں۔ پچھلے سال دنیا نے دیکھا کہ اڑیسہ کے کندھمال میں سیکڑوں عیسائیوں کو ہندوؤں نے قتل کر ڈالا۔ وزیر اعظم کو یہ کہنے پر مجبور ہونا پڑا کہ دنیا میں ہمارا سر شرم سے جھک گیا۔ دنیا نے سکھوں کے خلاف نفرت ۱۹۸۰ء–۱۹۹۰ء کے درمیان دیکھ لی ہے، جب ہندوؤں نے ہزاروں سکھوں کو بے رحمی کے ساتھ قتل کیا تھا۔ مسلمانوں کے خلاف حکومت اور فرقہ پرستوں کا تو کوئی جواب ہی نہیں۔ آزادی کے بعد سے اب تک مسلم مخالف فساد میں لاکھوں مسلمان قتل کیے جا چکے ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ حکومت فسادیوں ہی کی مدد کرتی ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ معرضِ التوا میں پڑے ہوئے فرقہ وارانہ فساد ایکٹ کو جلد از جلد نافذ کرے۔

فرقہ پرستی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو دہشت گردی سے بلاوجہ جوڑنے کا مسئلہ بھی کافی افسوس ناک ہے۔ بے قصور مسلم نوجوانوں کو دہشت گردی کے الزام میں پھنسا کر جیل مین ڈالا جا رہا ہے، ان کو جسمانی اذیت دی جاتی ہے۔ پولیس بے قصور مسلم نوجوانوں کا فرضی انکاؤنٹر کرتی ہے۔ گجرات میں پولیس کے ذریعہ فرضی انکاؤنٹر میں ماری گئی لڑکی عشرت جہاں کی بہن "مسرت جہاں" نے درد بھرے لہجہ میں کہا کہ: "کیا ہندوستان میں مسلمان ہونا جرم ہے؟"

مشہور و معروف صحافی "پونم کوشک" نے سروے کر کے ایک رپورٹ تیار کی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ آزادی کے بعد سے ملک میں دہشت گردانہ حملوں میں ۲۷/ ہزار افراد مارے گئے جن میں مبینہ طور پر ۵۶۱۷/ افراد مسلم عسکریت پسندوں کے ہاتھوں مارے گئے ہیں۔ باقی ۲۶۳۸۳/ افراد غیر مسلم دہشت گردوں کے ہاتھوں مارے گئے ہیں۔ ۳/ برسوں میں نکسلی تشدد میں ۲۶۰۰/ لوگ ہلاک ہوئے۔

گزشتہ سطور سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حکومت مسلمانوں کے تئیں کس قدر متعصب ہے۔ حکومت کو نکسلی آتنک وادیوں کی طرف توجہ دینے کی سخت ضرورت ہے۔ تب کہیں جاکر ہندوستان میں دہشت گردانہ کارروائیوں پر روک لگائی جا سکتی ہے۔

(سید احمد القادری، امجھر شریف، اورنگ آباد، بہار)

اشاریہ

ماہ نامہ اشرفیہ ۱۹۹۹ء

جلد: ۲۴/ جنوری تا دسمبر

مولانا قطب الدین رضا مصباحی

شمار	عنوانات	مضمون نگار	ماہ	صفحات
	اداریے			
۱	کاش مسلمان اپنی قوت سے آشنا ہوں	علامہ محمد احمد مصباحی	جنوری	۳-۵
۲	مسلم معاشرے کی خرابیاں اور ان کی اصلاح کے راستے	مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی	فروری	۳-۵
۳	آہ! مولانا مشاہد رضا	مولانا مبارک حسین مصباحی	مارچ	۳-۴
۴	شاہ است حسین، بادشاہ است حسین	مولانا مبارک حسین مصباحی	اپریل	۳-۵
۵	تصوف اور اعلیٰ حضرت	مولانا مبارک حسین مصباحی	مئی	۳-۸
۶	عالم اسلام کے تحفظ کا مسئلہ	مولانا محمد ادریس بستوی مصباحی	جون	۳-۴
۷	مسئلۂ کشمیر گفت وشنید سے حل کیا جائے	مولانا مبارک حسین مصباحی	جولائی	۳-۴
۸	نجدیو کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا	مولانا مبارک حسین مصباحی	اگست	۳-۷
۹	حافظِ ملت اپنے خطبات کے آئینے میں	مولانا مبارک حسین مصباحی	ستمبر	۳-۲۸
۱۰	عرسِ حافظِ ملت کی رپورٹ	مولانا مبارک حسین مصباحی	اکتوبر	۳-۴
۱۱	اسلام کا نظریۂ تجارت	مولانا مبارک حسین مصباحی	نومبر	۳-۵
۱۲	آہ! برادرِ حافظِ ملت حضرت حکیم عبد الغفور نہ رہے	مولانا مبارک حسین مصباحی	دسمبر	۳
	فقہیات			
۱	نماز میں اگر آیت بدل جائے تو کیا حکم ہوگا؟/ اگر السلام علیکم کے بجائے سلام علیکم کہہ دیا تو؟/ کیا مسلمان ہندوؤں کے لیے مندر تعمیر کرسکتا ہے؟/ خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ۔	مفتی محمد شریف الحق امجدی	جنوری	۶-۹
۲	عمامہ کون باندھ سکتا ہے؟/ عمامہ کا رنگ کیسا ہو؟/ عمامہ کی مقدار؟/ عمامہ میں دوشملہ/ عمامہ کے ساتھ بازار جانا درست ہے؟/ عمامہ باندھ کر استنجا کرنا کیسا ہے؟/ معتکف کو مسجد میں ریاح خارج کرنا کیسا ہے؟/ معتکف کو مسجد مین بال بنوانا کیسا ہے؟/ بلاضرورت مسجد سے باہر نکلنا جائز نہیں/ اگر کوئی بدمذہب کفریات بکے تو سنی عالم کیا کرے؟	مفتی محمد شریف الحق امجدی	فروری	۶-۷
۳	خطوط پر ۷۸۶ لکھنا کیسا ہے؟ ۷۸۶ لکھنے کا کیا حکم ہے؟	مفتی محمد شریف الحق امجدی	مارچ	۶-۱۰
۴	حضرت معاویہ کو جہنمی کہنا کیسا ہے؟/ ڈھول تاشے بجانے کا حکم؟/ کیا یزید کے نام کے ساتھ علیہ السلام لگانا جائز ہے؟/ کیا حضرت امام حسین نے عاشورہ کی صبح کو غسل فرمایا تھا؟	مفتی محمد شریف الحق امجدی	اپریل	۷-۱۱
۵	سبز عمامے کا شرعی حکم۔	مفتی سید ریاض الحسن	اپریل	۱۲-۱۵
۶	عید گاہ اور انگریزی لباس کا شرعی حکم/ جمعہ وعیدین کا شرعی حکم/ عید گاہ میں جماعتِ ثانیہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟/ قطب نما سے ۲۰/ ڈگری ٹیڑھی مسجد میں نماز کا حکم/ خطبہ کی اذان کا جواب نہ دیا جائے/ گھڑی کے چین کا شرعی حکم/ مسافر کی نماز کب قصر ہوگی؟/ بکری کو ادھیا پر دینے کا شرعی حکم/ دولڑ کے بھینس کی قربانی جائز نہیں۔	مفتی محمد شریف الحق امجدی	مئی	۹-۱۲

۷	مدینہ مدینہ کہنا محبت کی دلیل ہے/ مدینہ مدینہ کی جگہ پہلے سلام کیا جائے۔	مفتی محمد نظام الدین رضوی	مئی	۱۳-۱۵
۸	لنگی اور لالی کا حکم/ کیا فرض حج کے بعد نفل کیا جاسکتا ہے؟/ کیا قربانی کرنا جرم ہے؟	مفتی محمد شریف الحق امجدی	جون	۵-۷
۹	عمامہ کے دوشملہ رکھنا کیسا ہے؟/ اقامت میں کب کھڑا ہونا چاہیے؟/ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حجرہ مسجد سے کتنا دور تھا؟/ کیا حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا خلاف شرع ہے؟/ یہ روایت معتبر ہے یا نہیں؟	مفتی محمد شریف الحق امجدی	جولائی	۶-۸
۱۰	تعویذ پر اجرت لینا کیسا ہے؟/ سالی سے نکاح کرانے والے کا کیا حکم ہے؟/ ملازمت بچانے کے لیے تعویذ کرانا کیسا ہے؟/ کیا قرض سے زائد لی گئی رقم سود ہے؟/ چغلی کر کے جھگڑا کرنے والے کا کیا حکم ہے؟	مفتی محمد شریف الحق امجدی	اگست	۸-۱۱
۱۱	کھڑکی (حیرت انگیز مسائل)	مفتی محمد نظام الدین رضوی	اگست	۱۳-۱۴
۱۲	پیری مریدی کے اہم مسائل	مفتی محمد شریف الحق امجدی	ستمبر	۳۰-۳۳
۱۳	شرکت (حیرت انگیز مسائل)	مفتی محمد نظام الدین رضوی	ستمبر	۳۴-۳۷
۱۴	کیا بیوی سے جبراً گرگھا بنوانا جائز ہے؟/ کیا شادی کے بعد والدین کا لڑکی کو روکنا جائز ہے؟/ کیا زید کا یہ طریقہ درست ہے؟/	مفتی محمد شریف الحق امجدی	اکتوبر	۶-۷
۱۵	طلبۂ اشرفیہ کے حلف نامے پر حکم شرعی۔	مفتی محمد شریف الحق امجدی	اکتوبر	۸-۱۲
۱۶	کیا پیشاب کرنے سے کنویں کا پورا پانی نکالا جائے گا؟/ کیا یہ قول صحیح ہے؟/ کیا تیمور لنگ شیعہ تھا؟	مفتی محمد شریف الحق امجدی	نومبر	۷-۹
۱۷	لقیط-لاوارث بچہ (حیرت انگیز مسائل)	مفتی محمد نظام الدین رضوی	نومبر	۲۰-۲۲
۱۸	عیدگاہ میں ایک ہی جگہ دو جماعت کا کیا حکم ہے؟/ کس طرف بیٹھ کر کھانا سنت ہے؟/ میت کی آنکھوں میں سرمہ لگانا کیسا ہے؟/ میت کے پیر قبلہ کی طرف کیے جائیں یا نہیں؟	مفتی محمد شریف الحق امجدی	دسمبر	۴-۶
۱۹	ماے مستعمل (حیرت انگیز مسائل)	مفتی محمد نظام الدین رضوی	دسمبر	۷-۱۰

......﴿تحقیقات﴾......

۱	سفر محبوب پر اعتراضات اور قرآنی جوابات	محمد نیاز احمد مصباحی	جنوری	۲۸-۳۱
۲	سفید داغ	ڈاکٹر زبیر احمد صدیقی	جنوری	۴۶-۴۷
۳	گھیگھا روگ (Goitre)	ڈاکٹر زبیر احمد صدیقی	فروری	۴۶-۴۷
۴	اسلامی ذبیحہ کے فوائد-جدید تحقیق کی روشنی میں	ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی	مارچ	۴۲
۵	ختنہ	ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی	مئی	۴۲-۴۳
۶	۲۷/۲۸ رکی رویت ہلال-فرمان امام احمد رضا اور زیجات کی روشنی میں (قسط:۱)	خواجہ مظفر حسین رضوی	جون	۱۱-۲۰
۷	۲۷/۲۸ رکی رویت ہلال-فرمان امام احمد رضا اور زیجات کی روشنی میں (آخری قسط)	خواجہ مظفر حسین رضوی	جولائی	۱۳-۲۱
۸	سر کے بالوں کا گرنا	ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی	جولائی	۴۰-۴۱
۹	حضرت علی اور خلفاے ثلاثہ کے باہمی تعلقات	ادارہ	اگست	۲۲-۲۳
۱۰	پلس پولیو پروگرام	ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی	اکتوبر	۳۹-۴۱
۱۱	جوئیں پڑنا (Pediculosis)	ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی	نومبر	۴۲-۴۳
۱۲	مسلک اہل سنت و جماعت اور مکتوبات امام ربانی	علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری	دسمبر	۱۸-۲۹

......﴿اعتقادیات﴾......

۱	تقلید شخصی کا تصور-قرآن وسنت کی روشنی میں (قسط:۱)	محمد مسیح اللہ فیضی مصباحی	جون	۲۱-۲۳
۲	تقلید شخصی کا تصور-قرآن وسنت کی روشنی میں (قسط:۲)	محمد مسیح اللہ فیضی مصباحی	جولائی	۲۲-۲۷

۳	تقلید شخصی کا تصور-قرآن وسنت کی روشنی میں (قسط:۳)	محمد مسیح اللہ فیضی مصباحی	اگست	۱۵-۲۱
۴	کراماتِ اولیاے کرام	علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری	اگست	۲۴-۳۱
۵	عالمِ بیداری میں معراج اور دیدارِ الٰہی	اعلیٰ حضرت قدس سرہ/ تلخیص: اقبال احمد اختر القادری	اکتوبر	۱۳-۱۷

......﴿اسلامیات﴾......

۱	شب قدر	مفتی محمد نظام الدین رضوی	جنوری	۱۱-۱۷
۲	صحابۂ کرام کا عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	عبدالمصطفیٰ صدیقی حشمتی	جنوری	۱۸-۲۳
۳	عید الفطر	مولانا محمد الیاس عطار قادری	جنوری	۲۴-۲۷
۴	اسلامی نظام معیشت	محمد ریاض احمد رضوی مصباحی	جنوری	۳۲-۳۴
۵	زکوٰۃ ادا کرنے کے فوائد اور نہ ادا کرنے کے نقصانات	ادارہ	جنوری	۳۵
۶	محبت رسول کا تقاضا	حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ	فروری	۸
۷	فن تجوید کی اہمیت	محمد حبیب اللہ خاں	فروری	۱۰-۱۲
۸	قربانی کے فضائل ومسائل	محمد الیاس چشتی	مارچ	۱۱-۱۴
۹	عید قرباں	محمد ہمایوں عباس شمس	مارچ	۱۵-۱۷
۱۰	محفل نور	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	اپریل	۲۲-۲۵
۱۱	سود خوری-ایک بدترین لعنت	مولانا کیف الحسن قادری	اپریل	۲۹-۳۰
۱۲	علم دین کی فضیلت	محمد دلدار حسین رضوی	مئی	۱۹-۲۰
۱۳	محسن انسانیت کی جلوہ گری	محمد زبیر قادری	جون	۸-۱۰
۱۴	اہل وعیال کی ضروریات کے لیے بازار جانا	اقبال احمد اختر القادری	جولائی	۲۸
۱۵	حسن اخلاق کی اہمیت	مولانا عبدالمصطفیٰ رضوی	اگست	۳۲
۱۶	صوفی اور تصوف	مفتی عبدالمنان اعظمی	نومبر	۱۰-۱۹
۱۷	شب براءت کے فضائل واعمال	مولانا محمد ارشاد احمد رضوی مصباحی	نومبر	۲۳-۲۴
۱۸	بسم اللہ کی برکت	اقبال احمد اختر القادری	نومبر	۲۵-۲۷
۱۹	رمضان المبارک-رحمت ومغفرت کا مہینہ	عبدالحکیم عزیزی	دسمبر	۱۴
۲۰	شب قدر کی عظمت-قرآن وحدیث کی روشنی میں	کمال الدین احمد رضوی	دسمبر	۱۵-۱۷

......﴿نظریات﴾......

۱	چند اصلاح طلب گوشے	حامد القادری مصباحی	جنوری	۴۲-۴۵
۲	خطوط وغیرہ پر اردو میں پتے لکھنے کی تحریک اور طریقۂ کار	عبدالمجید	مارچ	۴۶
۳	شرعی عید اور عرفی عید	مفتی محمد شریف الحق امجدی	اپریل	۱۶-۲۱
۴	مشورہ کے فضائل	محمد نظام القادری	اپریل	۳۱
۵	مسلک اعلیٰ حضرت	مفتی محمد شریف الحق امجدی	اپریل	۳۲-۳۳
۶	خواتین اسلام میں مغربی تہذیب کے بڑھتے ہوئے اثرات	امتیاز احمد زخمی	اپریل	۴۴-۴۵
۷	بھاجپا کا شیطان رشدی کارڈ	سید علی انجم رضوی	اپریل	۴۶-۴۷
۸	مسلمانوں کی عدالت میں مقدمہ	الحاج محمد یوسف رضا قادری	مئی	۲۱-۲۵
۹	اردو زبان اور ہماری بے حسی	سید علی انجم رضوی	مئی	۳۶-۳۷
۱۰	مدفونین جنت البقیع اور جنت المعلیٰ کے بارے میں سنسنی خیز انکشافات	مولانا محمد الیاس عطار قادری	مئی	۴۵
۱۱	دینی مدارس کے مدرسین-ذمہ داریاں، مراعات، فرائض اور حقوق	مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری	جون	۲۴-۳۰

نمبر	عنوان	مضمون نگار	ماہ	صفحہ
۱۲	حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے مزارِ مبارک کا انہدام	محمد قمر الحسن قادری	جولائی	۳۹-۳۷
۱۳	رفعِ نزاع کا آسان حل	مفتی محمد شریف الحق امجدی	اگست	۱۲
۱۴	نجدیوں کی بربریت	مفتی محمد شریف الحق امجدی	اگست	۳۵-۳۳
۱۵	خواجہ عثمان ہارونی اور خواجہ معین الدین چشتی کے ملفوظات	محمد جعفر علی صدیقی	اکتوبر	۲۵-۱۸
۱۶	ہندوستان میں فنِ تجوید وقراءت	قاری احمد ضیا ازہری	نومبر	۳۱-۲۸
۱۷	مدارسِ اسلامیہ کے دروازوں پر اکیسویں صدی کی دستک	مولانا محمد قمر الحسن قادری مصباحی	نومبر	۳۷-۳۲
۱۸	اسکولوں میں وندے ماترم اور سرسوتی وندنا کا راج	مفتی سید شاہد علی رضوی	نومبر	۳۹-۳۸
۱۹	عید ایک دن پہلے کیوں؟	مفتی جلال الدین احمد امجدی	دسمبر	۱۳-۱۱
۲۰	عربی فارسی الٰہ آباد بورڈ اتر پردیش-مسائل پر ایک نظر	انیس عالم سیوانی	دسمبر	۴۰-۳۸

......《شخصیات》......

نمبر	عنوان	مضمون نگار	ماہ	صفحہ
۱	مجاہدِ آزادی حضرت علامہ فضلِ حق خیرآبادی	ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی	جنوری	۴۱-۳۶
۲	امام احمد رضا اور بیانِ نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	مولانا محمد علی رضا قادری	فروری	۱۶-۱۳
۳	امیر خسرو-تاریخ کے آئینے میں (قسط:۱)	محمد ہارون رشید	فروری	۲۵-۱۷
۴	سیدنا مخدوم سمنانی قدس سرہ کے علمی آثار (قسط:۱)	مولانا محمد ارشاد احمد رضوی	فروری	۲۹-۲۶
۵	اعلیٰ حضرت اور دہلی کا شریفی خاندان	محمد عبد اللہ قادری	فروری	۳۱-۳۰
۶	عرب مجاہد اسامہ بن لادن کون ہے؟	خالد محمود قادری	فروری	۴۱-۳۷
۷	پیر محمد کرم شاہ ازہری-قافلۂ علم وقلم کے امیر اور عشقِ مصطفیٰ ﷺ کے سفیر	غلام مقتدیٰ	فروری	۴۳-۴۲
۸	امیر خسرو-تاریخ کے آئینے میں (قسط:۲)	محمد ہارون رشید	مارچ	۲۳-۱۸
۹	سیدنا مخدوم سمنانی قدس سرہ کے علمی آثار (قسط:۲)	مولانا محمد ارشاد احمد رضوی	مارچ	۳۳-۲۴
۱۰	شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی	اقبال احمد اختر القادری	مارچ	۳۷-۳۴
۱۱	شیخ ابو الفضل غلامی-ایک تعارف ایک مطالعہ	شیخ عبد العزیز جیبی	اپریل	۴۳-۳۷
۱۲	راویانِ حدیث اور تعدادِ مرویات	مولانا محمد عبد المطلب مصباحی	مئی	۱۸-۱۷
۱۳	قطب کوکن مخدوم مہائمی علیہ الرحمہ	مفتی محمود اختر مصباحی	مئی	۳۰-۲۶
۱۴	مولانا سلامت اللہ مجددی رام پوری قدس سرہ	مفتی سید شاہد علی رضوی	جون	۴۱-۳۱
۱۵	حیاتِ غوثِ اعظم کے چند گوشے	ادارہ	جولائی	۱۲-۹
۱۶	سلطان التارکین حضرت صوفی حمید الدین ناگوری علیہ الرحمہ	مولانا محمد عاصم اعظمی	جولائی	۳۱-۲۹
۱۷	حضرت مولانا شاہ محمد مشاہد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان	ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی	جولائی	۳۶-۳۲
۱۸	روپوش تاروں کی کرنیں (حضرت مفتی رجب علی اور حضرت مفتی مشاہد رضا خاں علیہما الرحمہ)	مولانا محمد قمر الحسن قادری مصباحی	اگست	۴۰-۳۶
۱۹	عاشقِ مصطفیٰ ﷺ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ	ادارہ	ستمبر	۴۲-۳۸
۲۰	شہزادۂ صدر الشریعہ حضرت مولانا ثناء المصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ	مولانا محمد قمر الحسن قادری مصباحی	اکتوبر	۳۱-۲۶
۲۱	علامہ شیخ محمد طریق اللہ نعیمی-ایک علمی تقویٰ شعار شخصیت	مشتاق احمد رضوی نعیمی	اکتوبر	۳۴-۳۲
۲۲	یقیناً وہ خادمِ رسول تھے (حضرت مولانا خادم رسول گیاوی علیہ الرحمہ)	مولانا بدر القادری مصباحی	نومبر	۴۱
۲۳	حافظ بخاری حضرت سید عبد الصمد پھپھوندوی قدس سرہ	عبد الوحید مصباحی	دسمبر	۳۷-۳۰

......《عزیزیات》......

نمبر	عنوان	مضمون نگار	ماہ	صفحہ
۱	حافظ ملت کی چند خصوصیات	الحاج عبد الحکیم عزیزی	فروری	۹
۲	حافظ ملت جامعِ شریعت وطریقت	مولانا بدر الدجیٰ مصباحی	فروری	۳۴-۳۲

نمبر	عنوان	مضمون نگار	ماہ	صفحہ
۳	حضرت حافظ ملت عظیم معمارِ ملت اور محبِ وطن	ارشاد احمد سالک	ستمبر	۴۵-۴۳

......《تاریخیات》......

نمبر	عنوان	مضمون نگار	ماہ	صفحہ
۱	احمد آباد میں دعوتِ اسلامی کا عالمی اجتماع	محمد محبوب عزیزی	فروری	۳۶-۳۵
۲	رضا اکیڈمی (اسٹاک پورٹ برطانیہ) کا تعارف	محمد الیاس کشمیری	فروری	۴۵-۴۴
۳	عبرت انگیز حکایتیں	محمد احمد رضا نوری انجم	مارچ	۴۱-۴۰
۴	عاشورہ محرم کا تاریخی پس منظر	مولانا عبد الغفار اعظمی	اپریل	۲۸-۲۶
۵	سلطان العارفین حضرت سید احمد کبیر حسینی اور ان سے منسوب سلسلۂ رفاعیہ	مولانا ہمدم القادری	اپریل	۳۶-۳۴
۶	اہل سنت کی حقانیت پر ایک سچا واقعہ	بشکریہ رضائے مصطفیٰ	نومبر	۴۰
۷	عرسِ قاسمی ۱۴۲۰ھ کے موقع پر حضرت شارح بخاری کو فقیہ اعظم ہند کا خطاب	مولانا عبد الحق رضوی	دسمبر	۴۶

......《ادبیات》......

نمبر	عنوان	مضمون نگار	ماہ	صفحہ
۱	حافظ شیرازی اور امام اہل سنت (اعلیٰ حضرت کے اشعار کے محاسن)	مولانا شبیہ القادری	مارچ	۳۹-۳۸
۲	نعت کی تعریف وتوضیح اور اس کی ابتدا وارتقا	ڈاکٹر سید شمیم احمد گوہر مصباحی	مئی	۳۵-۳۱
۳	اردو زبان وادب کی ترقی میں صوفیۂ کرام کا حصہ	مولانا انتظار احمد قادری	مئی	۳۹-۳۸
۴	حسان الہند آزاد بلگرامی اور ان کی نعتیہ شاعری	سید علیم اشرف جائسی	جون	۴۶-۴۲
۵	امام احمد رضا کا ادبی نصب العین	مولانا فروغ القادری	اگست	۴۳-۴۱
۶	اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے بعض اشعار کی تشریحات اور دفع اعتراضات	ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی	ستمبر	۵۰-۴۶
۷	شیخ احمد تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کا قصیدۂ دالیہ	سید علیم اشرف جائسی	اکتوبر	۳۸-۳۵
۸	نعتیہ شاعری اور اس کا مقام ومرتبہ	ساجد علی مصباحی	دسمبر	۴۵-۴۱

......《نقد ونظر》......

نمبر	عنوان	مضمون نگار	ماہ	صفحہ
۱	تجلیاتِ حضور مفتیِ اعظم ہند (تصنیف: قاری امانت رسول رضوی) / تاریخ العالم الاسلامی (تصنیف: مفتی عبد الرحمٰن باوا ملیباری)	مولانا مبارک حسین مصباحی / شمس مصباحی	مارچ	۴۵-۴۴
۲	پروفیسر کعبی کی "سلام رضا-تضمین وتفہیم اور تجزیہ" (تصنیف: مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی)	ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی	اگست	۴۶-۴۴
۳	تذکرہ آبادانیہ (تصنیف: مولانا محمد انور علی فریدی سہیل) / رئیس المعالجات ہومیوپیتھی (تصنیف: ڈاکٹر رئیس احمد اعظمی)	ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی / تنویر احمد	نومبر	۴۵-۴۴

......《منظومات》......

نمبر	عنوان	مضمون نگار	ماہ	صفحہ
۱	آمدِ گیسو / نعتیں	سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ / سید شمیم احمد گوہر	جنوری	۱۰/۲
۲	مرکزِ علم وحکمت سلامت رہے / نعتیں	کیف الحسن قادری / سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ	فروری	۹/۲
۳	نعت / عازمین حج سے خطاب / دیوبندیوں کے عقائد وافکار کی ننگی تصویر	سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ / شکیل احمد اعظمی / علامہ حسن رضا بریلوی	مارچ	۴۳/۵/۲
۴	نعتیں / نذرانۂ عقیدت بہ حضور صدر الافاضل	رضوان الرضا / شمیم احمد گوہر / سالک	اپریل	۲۵/۶/۲
۵	اے امام احمد رضا / نعتِ رسول / قطعات / نعتِ پاک	محمد الیاس عطار قادری / انس مسرور / سفر احمد اعظمی / عبد الرحمٰن جگر	مئی	۱۶/۲ ۴۶/۴۱
۶	نعتیں	قمر مصطفوی / سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ / عاصم	جون	۲/۴/مے
۷	تذکرۂ غوثیت مآب / قرآنی نسخے / حمد / نعت	ساحل سہسرامی / قیصر وارثی / قسمت سکندر پوری	جولائی	۴۳
۸	نعت / سانحۂ ابوی شریف	سیفی اعظمی / آصف جلالی	اگست	۴۶/۴۰
۹	ترا مدح خواں...... / مناقب / نعت / رباعیات	سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ / شکیل اعظمی / عزیز الٰہ آبادی / شکیل نورانی / طلحہ رضوی برق	ستمبر	۴۵/۲۹/۲ ۵۱-۵۰

۱۰	منقبت خواجہ غریب نواز/سنی دعوتِ اسلامی/نعتیں	اوج اعظمی/بدر القادری/احمد ندیم/نثار کریمی	اکتوبر	۵/۲
۱۱	نعتیں	حضور مفتیِ اعظم ہند قدس سرہ/ناز قادری/حضرت احسن العلما	نومبر	۴۷/۶/۲
۱۲	نعتیں	امام احمد رضا بریلوی/محمد الیاس عطار قادری	دسمبر	۱۷/۲

مکتوبات

۱	محمد الیاس عطار قادری، نزیل ممبئی/محمد عبد الحکیم شرف قادری، لاہور	مئی	۴۶-۴۴
۲	محمد عبد الحکیم شرف قادری، لاہور/محمد نوشاد عالم مصباحی، ساؤتھ افریقہ	اکتوبر	۴۳-۴۲

سرگرمیاں

عالمی خبریں و خیر و خبر .... **جنوری تا دسمبر ۱۹۹۹ء**

وفیات

۱	آہ! مولانا خادم رسول گیاوی علیہ الرحمہ	جنوری	۵
۲	مولانا عبد الرؤف فیضی	فروری	۲۵
۳	شہزادۂ شیر بیشۂ اہل سنت مولانا مشاہد رضا خاں کا سانحۂ ارتحال	مارچ	۴۸
۴	شہزادۂ صدر الشریعہ حضرت مفتی ثناء المصطفیٰ علیہ الرحمہ وصال فرما گئے	مئی	۴۱
۵	خلیفۂ حضور مفتیِ اعظم ہند حضرت مولانا نور محمد باپو عارفانی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال	مئی	۴۸
۶	تلمیذ حضور مفتیِ اعظم ہند حضرت علامہ محمد ایوب رضوی کا وصال	جولائی	۴۲
۷	ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی کی والدہ کا انتقال	اگست	۱۴
۸	حضرت مفتی محمد طریق اللہ شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ کا وصال	ستمبر	۵۶
۹	مولانا عبد الصمد رضوی کا انتقال	اکتوبر	۳۱

نوٹ: — ماہ نامہ اشرفیہ کی تین دہائی مکمل ہونے کے بعد اگست ۲۰۰۷ء سے اشاریہ سازی کا عمل شروع کیا گیا۔ نہایت پابندی کے ساتھ تقریباً ڈھائی سال تک ہر شمارے میں ایک سوال کا موضوعاتی اشاریہ پیش کیا جاتا رہا۔ آئندہ ۱۹۷۶ء سے ۲۰۱۰ء تک کا اشاریہ یکجا کتابی شکل میں شائع کیا جائے گا۔ **مبارک حسین مصباحی**

(ص: ۲۳ رکا بقیہ) ....

(۱۳) کشف الظنون ۱/۱۷۶۹ (۱۴) کشف الظنون ۱/۲۱۲ (۱۵) کشف الظنون ۱/۱۱۷۹ (۱۶) کشف الظنون ۱/۱۶۲۱

(۱۷) ابراز الغي الواقع في شفاء العي (نقد اوهام صديق حسن خان) ص: ۱۱۴۔ مطبوعہ دار الفتح، عمان، اردن، طبع اول۔ ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء

(۱۸) مصدر سابق، ص: ۱۳۰ (۱۹) دیباچہ البشیر الکامل۔ ناشر: مکتبۃ الجیلانی، سنبھل، مراد آباد، سن ندارد۔ (۲۰) البشير الكامل ص: ۴

(۲۱) مصدر سابق (۲۲) تاريخ الاسلام، ج: ۳۲، ص: ۵۵۔ طبقہ ۴۸، سن ۴۷۱ھ۔ مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، طبع دوم ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء۔

(۲۳) سیرُ اعلام النبلاء، ۱۳/۶۸۷۔ الطبقة الرابعة والعشرون۔ تعارف و ترجمہ: ۴۲۹۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، طبع اول ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷ء۔

(۲۴) طبقات الشافعية الكبرى۔ ۳/۲۴۲۔ تذکرہ امام عبد القاہر جرجانی۔ مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت، طبع سوم، سن ندارد۔

(۲۵) مراة الجنان۔ ۳/۱۰۱۔ مطبوعہ دار الکتاب الاسلامی، قاہرہ، مصر۔ طبع دوم ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء)

(۲۶) فوات الوفيات ۱/۷۰۰۔ ترجمہ و تعارف: ۲۹۳۔ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت، طبع اول، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء۔

(۲۷) بغية الوعاة في طبقات اللغويين و النحاة۔ ۲/۱۳۶۔ تعارف و ترجمہ: ۱۵۵۸۔ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ طبع اول ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء۔

(۲۸) مفتاح السعادة۔ ۱/۱۶۵ھ (۲۹) شذرات الذهب في أخبار من ذهب۔ ۳/۳۴۰۔ مطبوعہ دار الفکر بیروت، سن ندارد۔

(۳۰) معجم المولفين۔ ۵/۳۱۰۔ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، سن ندارد۔

نوٹ: — امام عبد القاہر جرجانی کے حالات اور تصنیفات کی تفصیلات درج ذیل مصادر سے کی گئی ہیں۔

(۱-۱۱) ان کے مذہب کی تحقیق کے دوران جن کتابوں کی عبارتیں ہم نے درج کی ہیں۔

(۱۲) دلائل الاعجاز للجرجاني (مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت) کا ''مقدمۃ المحقق'' از: محمد التُنجي۔

(۱۳) کشف الظنون۔ حاجی خلیفہ۔ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، سن ندارد۔

(۱۴) هدية العارفين۔ اسماعیل پاشا بغدادی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، سن ندارد۔

گوشۂ ادب

فاخر جلال پوری کی نعتیہ شاعری

ڈاکٹر انور شفیق اعظمی

فاخر جلال پوری ایک بزرگ، کہنہ مشق اور قادر الکلام استاذ شاعر کی حیثیت سے دنیائے شعر و ادب میں جانے پہچانے جاتے ہیں۔ وہ گزشتہ کئی دہائیوں سے اردو شعر و ادب کی آبیاری میں لگے ہوئے ہیں۔ اب تک موصوف کے کئی شعری ونثری مجموعے شائع ہو کر منظر عام پر آچکے ہیں۔ مثلاً آیاتِ حرم، برگ وساز، آثار و باقیات، خاتون جنت، لب فرات، حرف زار، زیتون کے سائے اور نگارِ غزل وغیرہ۔

''دانائے سبل'' فاخر جلال پوری کا تازہ مجموعۂ نعت ہے۔ اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ فاخر جلال پوری صاحب کو دیگر اصناف سخن کے ساتھ ساتھ نعت گوئی کے فن پر دسترس اور حضور سرور کائنات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عقیدت اور محبت ہے۔

''دانائے سبل'' میں تین حمد کے ساتھ ساتھ ایک مناجات اور باقی سب نعتیں ہیں۔ فاخر صاحب کو نبی کریم آقائے نامدار سے کتنی محبت اور عقیدت ہے، اس کا اندازہ مندرجہ ذیل اشعار سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

یہ مال و دولتِ دنیا فضول ہو جائے
اگر نصیب میں عشقِ رسول ہو جائے

مجھے تو عشقِ رسولِ خدا ہی کافی ہے
میں کیوں پڑوں بحثِ ایں و آں کی الجھن میں

دل میں حبِ مصطفیٰ ہو، لب پہ ذکرِ مصطفیٰ
میری بخشش کے لیے فاخر یہی سامان ہے

بلاشبہہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو نمونہ بنا کر اور ان کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے جس نے بھی اپنی زندگی بسر کی اس کی دنیا تو بن ہی گئی، اس کی آخرت کے سنورنے کی ضمانت بھی گویا اسے مل گئی۔ فاخر جلال پوری ایک سچے اور نیک دل مسلمان ہیں۔ ان کا مذکورہ باتوں پر پورا یقین و اعتماد ہے۔ اس لیے وہ اپنے اشعار کے ذریعہ یہ تلقین کرتے ہیں کہ ایک مومن کو حضور کی سیرت و کردار کا نمونہ ہونا چاہیے اور اسوۂ مصطفیٰ میں ہی دونوں جہاں کی کامیابی پوشیدہ ہے۔ فاخر جلال پوری کے چند نعتیہ اشعار دیکھیے۔

اگر ہو پیش نظر اسوۂ رسولِ خدا
تو ساری عمر بڑی با اصول ہو جائے

جو دل میں جذبۂ عشقِ نبی کو لے کے چلے
تو اس کی راہ کا یہ خار پھول ہو جائے

نعت گو شعرا اکثر جذبات میں خدا سے بھی بڑھ کر حضور کا مرتبہ و مقام گردانتے ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ نعت کہتے وقت بہت ہی احتیاط اور اعتدال کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر احتیاط و اعتدال سے کام نہ لیا گیا تو شاعر کی دنیا تو خراب ہوگی ہی عاقبت بھی خراب ہو سکتی ہے۔ فاخر جلال پوری کی نعتیہ شاعری میں کہیں بھی ایسے اشعار نظر نہیں آتے جہاں وہ جذبات کی رو میں آگے بڑھ کر یا اعتدال سے غافل ہو کر نعتیہ اشعار کہے ہوں۔ بلکہ وہ ایک صاحب علم و فن، ایک حق گو نعتیہ شاعر کی حیثیت سے یہی فرماتے ہیں۔

انھیں کے نور سے سارے زمانے میں اجالا ہے
انھیں کی ذات ہے بعدِ خدا جو سب سے اعلیٰ ہے

تمام انبیا میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ایسی ہے جس کو پروردگارِ عالم نے شبِ معراج میں مسجد حرام سے مسجدِ اقصیٰ ہوتے ہوئے اپنا ایسا قرب عطا فرمایا کہ جبریل امین نے کہا کہ اب اگر بال برابر بھی آگے بڑھوں گا تو تجلیِ الٰہی میرے پروں کو جلا دے گی۔ اس واقعہ کو فاخر جلال پوری صاحب یوں اپنے شعر میں نظم کرتے ہیں۔

رفعتِ ذاتِ مقدس ارے اللہ اللہ
پرِ جبریل ہے حیراں شبِ معراجِ نبی

رشک ہوتا ہے فرشتوں کو بھی اس رفعت پر
بڑھ گئی عظمتِ انساں شبِ معراجِ نبی

''دانائے سبل'' میں نہایت شگفتہ، دل کش اور روح پرور نعتیہ اشعار پڑھنے کو ملتے ہیں جن سے روح کو تازگی اور ایمان کو شگفتگی میسر آتی ہے۔ چند اشعار دیکھیے۔

تازہ ہو جائے گا ایمان مدینے چلیے
بن کے سرکار کے مہمان مدینے چلیے

جسے مل جائے سایہ رحمتِ عالم کے دامن کا
تو پھر اس کے لیے ہے گرمیِ میدانِ محشر کیا

فاخر جلال پوری کے نعتیہ اشعار میں ایک خاص جاذبیت اور عقیدت و محبت نظر آتی ہے۔ ان کی زبان صاف، سادہ اور سلیس ہے۔ اشعار میں برجستگی، رعنائی اور بھرپور تاثر ملتا ہے۔ ان کی شاعرانہ عظمت اور قادر الکلامی کے جوہر بھی اکثر نعتیہ اشعار میں جگہ جگہ پائے جاتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سرائے میر، اعظم گڑھ، یو. پی.

نقد و نظر

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہے

نام کتاب	:	شہر خموشاں کے چراغ
مصنف	:	مبارک حسین مصباحی
صفحات	:	(۴۸۰) — اشاعت: ۲۰۰۹ء/۱۴۳۰ھ
قیمت مجلد:		۲۰۰ ؍روپے
ناشر	:	تنظیم ابنائے اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ
تقسیم کار	:	المجمع المصباحی، مبارک پور، اعظم گڑھ
مبصر	:	محمد ساجد رضا مصباحی

"شہر خموشاں کے چراغ" ماہ نامہ اشرفیہ کے مدیر مولانا مبارک حسین مصباحی کے ان مضامین اداریوں کا مجموعہ ہے جو انھوں نے اپنے ۱۹؍ سالہ عہد ادارت میں داغِ مفارقت دینے والی شخصیتوں کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے سپردِ قلم فرمایا ہے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی ایک ذمہ دار استاذ، بلند پایہ خطیب اور صاحب طرز ادیب ہونے کے ساتھ کہنہ مشق صحافی بھی ہیں۔ بقول سید محمد اشرف مارہروی:

"مبارک حسین مصباحی ہمارے ان قلم کاروں میں ایک امتیازی شان رکھتے ہیں جنھوں نے قلم کی حُرمت کو ہمیشہ اوّلیت دی ہے۔ ان کی کتابیں اور موقر جرائد میں ان کے مضامین دل چسپی اور سنجیدگی سے پڑھے جاتے ہیں، سمیناروں میں ان کے مقالے توجہ اور رغبت سے سنے جاتے ہیں۔ ان کی کتابوں، مضامین اور مقالات کا بنیادی موضوع ہمیشہ وہ ہوتا ہے جس سے مصنف کا گہرا شعوری تعلق ہوتا ہے۔ معتبر جریدہ "ماہ نامہ اشرفیہ" میں ان کے اداریے اپنے موضوع کی اہمیت اور تفہیمی انداز کے باوصف بہت مقبول ہیں۔"

"شہر خموشاں کے چراغ" صرف چند رسمی تعزیتی تحریروں کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک عہدِ زریں کی تاریخ اور قوم وملت کے ان شاہین صفت ہستیوں کے آفاقی کارناموں کی حسین داستان بھی ہے، جنھوں نے اپنے خلوصِ پیہم، علم وعمل، عزم وحوصلہ اور افکار ونظریات سے پوری امتِ مسلمہ کو فیض یاب کیا۔ شہر خموشاں کے ان چراغوں میں معرفت وطریقت کے سلاطین بھی ہیں، رازدارانِ شریعت بھی، مسند نشینانِ درس وتدریس بھی ہیں اور اربابِ فکر وقلم بھی۔ "شہر خموشاں کے چراغ" علوم وفنون کے مختلف شعبوں سے متعلق متنوع شخصیات کے تذکارِ جمیل کا حسین مرقع ہے۔ کتاب کی فہرست جدید طرز کی ہے۔ فہرست میں ہر شخصیت سے متعلق تحریر کا ایک جامع اقتباس بھی پیش کر دیا گیا ہے جس سے متعلقہ شخصیت کا اجمالی خد وخال نمایاں ہو جاتا ہے اور دل میں ان کی عظمت کے دیے روشن ہو جاتے ہیں۔

کتاب کے شروع میں ۵؍ صفحات پر مشتمل مصنف کا ایک دل چسپ اور طنزِ لطیف سے بھرپور مقدمہ بھی ہے جس میں انھوں نے ماہ نامہ اشرفیہ کی ادارت، نیشنل وانٹرنیشنل میڈیا کی اہمیت وافادیت، تنظیم ابنائے اشرفیہ کے زیرِ اہتمام بین الاقوامی میڈیا سمینار کے اثرات اور کتاب کے مشمولات پر روشنی ڈالی ہے۔

مولانا موصوف نے مقدمے میں نیشنل وانٹرنیشنل میڈیا سے متعلق جن مسائل پر اظہارِ تشویش کیا ہے وہ یقیناً قابلِ توجہ ہیں۔ آج عالمی میڈیا کے تمام شعبوں پر اسلام دشمن طاقتوں کا غاصبانہ قبضہ ہے اور آئے دن نت نئے انداز میں اسلام کے خلاف زہر افشانی کی جا رہی ہے۔ یہی نہیں بلکہ برصغیر میں اسلامی چینلوں کے نام پر غیر اسلامی افکار ونظریات کی اشاعت عام ہے جس سے نئی نسل کا ذہن و دماغ بڑی تیزی کے ساتھ متاثر ہو رہا ہے۔ حالات کا تقاضا یہ ہے کہ قوم وملت کے قائدین غفلت کی چادر اتار پھینکیں اور اس تشویش ناک صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے موثر لائحۂ عمل تیار کریں۔ اس تناظر میں "تنظیم ابنائے اشرفیہ" کا میڈیا سمینار ایک خوش آئند اقدام ہے جسے بہ نظرِ استحسان دیکھا جانا چاہیے۔

۴۸۰؍ صفحات پر مشتمل "شہر خموشاں کے چراغ" میں تقریباً ۵۰؍ جلیل القدر شخصیات کی حیات وخدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ان کی رِحلت پر دل کھول کر آنسو بہائے گئے ہیں۔ تعزیتی تحریروں کا لب ولہجہ غم واندوہ میں اس قدر ڈوبا ہوا ہے کہ قارئین کی آنکھیں بھی نم ہو جاتی ہیں اور ہر قاری اپنے آپ کو بزمِ تعزیت میں آہ وفغاں کرتا

ہوا محسوس کرتا ہے۔ فقیہ عصر شارحِ بخاری علامہ مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال پر لکھے گئے ان تعزیتی جملوں میں مفارقت کا زخم واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے:

"آہ! اب ہماری سرپرستی کون کرے گا؟ آہ! اب مشکلات میں دادرَسی کون کرے گا؟ آہ! اب ہماری غلطیوں پر تنبیہ کون کرے گا؟ آہ! اب بد مذہبوں کی ریشہ دوانیوں کا پردہ چاک کون کرے گا؟ آقائے نعمت! تمہاری جدائی کا پہاڑ سے بڑا غم لے کر ہم کس دہلیز پر جائیں؟ تمہاری طرح آنسو پونچھنے والا کوئی نہیں، تمہاری طرح تسلی کے میٹھے بول بولنے والا کوئی نہیں، کیا آپ اب دار الافتا کبھی نہیں آئیں گے؟ کیا آپ کے دروازے پر عصری نشست کی انجمن اب کبھی نہیں سجے گی؟"

کتاب کی پہلی تحریر دسمبر ۱۹۹۰ء کی ہے جو خطیبِ مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی کی رحلت پر سپردِ قلم کی گئی ہے، جب کہ آخری تحریر مارچ ۲۰۰۹ء کی ہے جو جواں سال صحافی مولانا شکیل احمد مصباحی نائب مدیر ماہ نامہ اشرفیہ کی اچانک رحلت پر نہایت غم آگیں اسلوب میں لکھی گئی ہے۔ اکثر تحریریں مختصر مگر جامع ہیں۔ شخصیتوں کے اوصاف وکمالات کو نہایت سلیقے سے بیان کیا گیا ہے اور ان کی خدمات کا کھلے دِل سے اعتراف بھی کیا گیا ہے۔

خود غرضی، تعصب پرستی اور نفسانفسی کے اس دور میں جب کہ ہر کس وناکس اپنے ہی کو جماعت اہلِ سنت کا مقتدیٰ اور اسلاف کے علوم وفنون کا تنہا وارث سمجھنے لگا ہے، علما کی باہمی رقابت اور خانقاہوں کی آپسی چپقلش نے ایک ہنگامۂ محشر برپا کر رکھا ہے۔ ایسے میں اعتدال کی راہ پر چلنا ایک مشکل امر ہوتا جا رہا ہے۔ لیکن مولانا مبارک حسین مصباحی کا یہ امتیازی وصف ہے کہ انھوں نے مشربی تنازعات، گروہی تفریقات اور خانقاہی تعصبات سے بالاتر ہو کر شہر خموشاں کے ان تمام چراغوں کی روشنی قارئین تک پہنچانے کی کوشش کی ہے جو کسی بھی جہت سے جماعت اہلِ سنت کے محسن ومربی ہیں، خواہ ان کی وابستگی کسی بھی خانقاہ یا سلسلے سے ہو، بلاشبہ محسنوں کے احسانات کا اعتراف زندگی کی علامت ہے۔ شاید اسی لیے جہانِ سنیت کے ہر گوشے میں کتاب کی یکساں پذیرائی ہو رہی ہے۔

پاکستان کے مشہور عالمِ دین اور مفسر ومحقق ضیاء الامت پیر کرم شاہ ازہری نے "ضیاء النبی" کے نام سے سات جلدوں پر مشتمل سیرت رسول ﷺ لکھی ہے، اس موضوع پر اردو زبان میں اہلِ سنت و جماعت کی یہ پہلی کتاب ہے جس میں سیرت کے ضروری گوشوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ زبان وبیان کی چاشنی کے ساتھ ساتھ عشقِ رسول کا سوز وگداز سطر سطر سے عیاں ہے۔ مولانا مبارک حسین مصباحی "شہر خموشاں کے چراغ" میں اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

عشقِ رسول کے حقیقی سوز وگداز اور منصب رسالت کے کمال ادب واحتیاط کے بغیر نہ نعتِ رسول کہی جا سکتی ہے اور نہ ہی سیرت نگاری سے عہدہ برآ ہوا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شبلی وسلیمان کی سیرت النبی اور ابو الکلام آزاد اور سلیمان منصور پوری وغیرہ کی سیرت کے موضوع پر کتابیں عشقِ رسول ﷺ کی روح سے خالی ہیں، ان میں اکثر مقامات پر مستشرقین سے معذرت خواہانہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے "ضیاء النبی" لکھ کر جماعت اہلِ سنت کا قرض ادا کر دیا ہے۔"

درج بالا اقتباس مولانا موصوف کی کشادہ قلبی اور حق گوئی وبے باکی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ شبلی نعمانی اور سلیمان ندوی کی سیرت النبی سے متعلق ان کے ان الفاظ پر کسی بھی صاحبِ فہم وبصیرت کو چیں بجبیں نہیں ہونا چاہیے، کیوں کہ شبلی وسلیمان نے سیرت نگاری کے نام پر مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔ انھوں نے اپنے پرکھوں کی رَوِش پر چلتے ہوئے تنقیص شانِ رِسالت کے لیے جو ہتھکنڈے اپنائے ہیں وہ ان کے متعصبانہ ذہن وفکر اور علمی افلاس کے واضح ثبوت ہیں۔ ان نام نہاد محققین کی زہر افشانیوں کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں، جن کو پڑھ کر ان کی سیرت نگاری کی حقیقت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

(۱) سیرۃ النبی جلد: ۳، ص: ۴۷۷، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ، میں لکھتے ہیں:

"وہ معجزہ جن میں گدھے، اونٹ، بکری، ہرن، گوہ، بھیڑیے، شیر وغیرہ جانوروں کے انسانوں کی طرح بولنے یا کلمہ پڑھنے کا ذکر ہے، بروایتِ صحیحہ ثابت نہیں۔"

(۲) سیرۃ النبی، جلد: ۳، ص: ۶۷۷ میں ہے:

"ایک روایت میں ہے کہ آں حضرت ﷺ کا چہرۂ مبارک اس قدر روشن تھا کہ اندھیرے میں آپ جاتے تو اجالا ہو جاتا، چناں چہ ایک دفعہ رات کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ سے سوئی گر گئی، تلاش کی نہیں ملی، دفعتاً آپ تشریف لائے تو چہرۂ مبارک کی روشنی سے سوئی چمک اٹھی اور مل گئی، یہ بالکل جھوٹ ہے۔"

(۳) ص:۵۷۷، ج:۳ میں ہے:

"عوام میں مشہور ہے کہ آں حضرت ﷺ کا سایہ نہ تھا، لیکن یہ کسی روایت سے ثابت نہیں۔"

(۴) سفر شام میں "بحیرہ راہب" سے حضور ﷺ کی ملاقات اور بحیرہ راہب کی شہادت کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت نا قابل اعتبار ہے۔"

(۵) ص:۴۷۷، جلد:۳/ میں لکھتے ہیں:

"وہ تمام روایتیں جن میں آں حضرت ﷺ کے معجزہ سے حضرت آمنہ یا کسی اور مردہ کے زندہ ہونے کا بیان ہے، وہ سب جھوٹی اور بنائی ہوئی ہیں۔"

گویا ان نام نہاد محققین کی نظر میں وہ تمام روایتیں بلا دلیل جھوٹی اور نا قابلِ اعتبار ہیں جن سے کسی طرح رسول اللہ ﷺ کی عظمت وفضیلت ثابت ہوتی ہے، استاذ اور شاگرد (شبلی و سلیمان) کی ان گل افشانیوں کے پیچھے تنقیص شانِ رسالت کا وہی جذبۂ فراواں کار فرما ہے جو انھیں اپنے اسلاف سے وراثت میں ملا ہے۔ ورنہ مذکورہ واقعات میں بعض اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیثوں سے ثابت ہیں اور بعض ضعیف روایتوں سے لیکن شبلی و سلیمان جیسے مصنفین کو اتنا تو معلوم ہونا ہی چاہیے کہ بابِ فضائل میں باتفاقِ جمہور ضعیف حدیثیں بھی معتبر ہیں۔

شبلی و سلیمان کی ان یاوہ گوئیوں پر چنداں حیرت کی ضرورت نہیں، کیوں کہ یہ دونوں تقویۃ الایمانی مکتبِ فکر کے سرگرم نمائندے ہیں جن کی خشتِ اول میں اہانتِ رسول کا گارا شامل ہے۔ لیکن حیرت اس وقت ہوتی ہے جب کوئی اہلِ سنت و جماعت کے معتقدات کا حامل اور ایک معتمد دینی ادارے کا فارغ التحصیل بھی شبلی و سلیمان کی ان مزخرفات پر اپنا قلبی تاثر ان الفاظ میں پیش کرے:

"شبلی کی سیرت کے مطالعہ کے بعد نبی کریم ﷺ کی عظمت دل میں پیدا ہوتی ہے اور ان سے لگاؤ کا جذبہ پروان چڑھتا ہے اور اللہ کی راہ میں آپ ﷺ کی قربانیوں کا اندازہ ہوتا ہے جس سے آتش حبِ نبی بھڑک اٹھتی ہے۔" (تبصرہ شہر خموشاں کے چراغ، از: مولانا ضیاء الرحمان علیمی، مطبوعہ ماہ نامہ جامِ نور دہلی، اکتوبر ۲۰۰۹ء)

مجھے لگتا ہے کہ موصوف کو شبلی و سلیمان کی سیرت النبی کی زیارت کا شرف بھی حاصل نہیں ہوا ہے اور سیرت النبی کی غائبانہ عقیدت میں مغلوب ہو کر یہ تاثرات قلم بند کر دیے ہیں۔ مولانا علیمی سے میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ شبلی و سلیمان کی سیرت النبی اور صدر العلما علامہ محمد احمد مصباحی کی معرکہ آرا تصنیف "تنقیدِ معجزات کا علمی محاسبہ" کا سنجیدگی کے ساتھ مطالعہ کریں تو حقیقت آپ پر بھی عیاں ہو جائے گی اور آپ کی عقیدت کا شیش محل خود بخود چکنا چور ہو جائے گا۔

مولانا علیمی کی محدود ذہنیت کا اندازہ ان کے اس اقتباس سے بھی لگایا جا سکتا ہے:

"(شہر خموشاں کے چراغ) میں جس طرح کی فہرست سازی کی گئی ہے اس کے مطابق گوشۂ شارح بخاری کا مستقل عنوان قائم کرنے کی ضرورت نہیں تھی اور نہ مستقل نمبرنگ کی .... لیکن پتہ نہیں کن مقاصد کے تحت مصنف نے خلجان مین ڈالنے والا منہج اختیار کیا ہے، حیرت کی بات یہ ہے کہ علامہ ارشد القادری کے تذکرے میں بھی اصل تحریر کے علاوہ دوسرے تعزیتی مکاتب شامل ہیں لیکن وہاں پر منہج فطری اختیار کیا گیا ہے، یہاں گوشۂ علامہ ارشد القادری جیسا نہ کوئی عنوان ہے نہ مستقل نمبرنگ۔"

مولانا علیمی صاحب! آپ پوری طرح اطمینان رکھیں اور کسی طرح کے کنفیوزن کا شکار نہ ہوں۔ یہ دیارِ حافظِ ملت ہے، یہاں ہر کام مبنی بر خلوص ہوتا ہے، یوں بھی فرزندانِ اشرفیہ کا مطمحِ نظر کام اور صرف کام ہے، شارحِ بخاری علامہ مفتی شریف الحق امجدی اور رئیس القلم علامہ ارشد القادری رحمہما اللہ دونوں ہی الجامعۃ الاشرفیہ کے قابلِ فخر فرزند ہیں اور جماعتِ اہلِ سنت کے محسن و مربی بھی۔

احباب کی محفلوں میں اکثر کہا جا رہا ہے کہ طلبۂ مدارس اور نئی نسل کے فارغین میں اب خاطر خواہ بیداری آ رہی ہے، تحریر و قلم کے میدان میں بھی ہماری نمائندگی ہونے لگی ہے، جماعتی سطح پر کام کرنے کا جذبہ پیدا ہوا ہے۔ احباب کے ان خیالات سے ایک حد

تک مجھے بھی اتفاق ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ادھر چند برسوں میں ان نئی بیداریوں کے بطن سے کئی ایسے قلم کار معرضِ وجود میں آئے ہیں جن کے اندر تحقیق و مطالعہ کا رجحان کم اور لکھنے کا شوق زیادہ ہے۔ اسی غلط رجحان کے نتیجے میں وقفے وقفے سے ایسی تحریریں منظر عام پر آتی رہتی ہیں جن سے فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ تجارتی نقطۂ نظر سے ان تحریروں کی خواہ کتنی ہی اہمیت کیوں نہ ہو، دینی و مذہبی نقطۂ نظر سے ان تحریروں کی حیثیت اخباری تبصروں سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہوتی۔

شہر خموشاں کے چراغوں میں برصغیر ہند و پاک کی مقتدر شخصیتوں کے علاوہ عالم عرب کے بلند پایہ عالم دین، مینارۂ حق و صداقت، علامہ سید محمد بن علوی مالکی رحمہ اللہ بھی شامل ہیں جو دیارِ حرم میں مسلکِ حق اہلِ سنت و جماعت کے بے باک نقیب تھے۔ انھوں نے حرم پاک کے وہابیت زدہ ماحول میں بھی حق و صداقت کا علم بلند کیا۔ آپ کی درجنوں تصانیف آج بھی اہلِ علم و ادب سے دادِ تحسین وصول کر رہی ہیں۔

"شہر خموشاں کے چراغ" میں اہلِ علم و ادب کی تین عظیم ہستیوں (معروف فکشن نگار سید محمد اشرف مارہروی، مفکرِ اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی، معروف نقاد و صحافی مولانا خوشتر نورانی) کے تاثرات بھی شامل ہیں جن سے کتاب اور مصنف کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کتاب کا سرورق ذوقِ جمیل کا اعلیٰ نمونہ ہے، امیدِ قوی ہے کہ علمی و ادبی حلقوں میں کتاب کا پر تپاک خیر مقدم کیا جائے گا اور شہر خموشاں کے چراغوں کی روشنی قارئین کے راستے کو دیر تک اور دور تک روشن رکھے گی۔

(ص:۱۳/ کا بقیہ) — مسلم صحافیوں کے ذریعہ علمائے اسلام کے خلاف لکھوانا بہت مفید ہے اور یہ مشہور کرنا ضروری کہ مسلمانوں کی ترقی کی راہ میں یہ علما بڑی رکاوٹ ہیں۔ مجھے بے حد خوشی ہوتی ہے اگر کوئی صحافی خصوصاً اردو اخباروں میں علمائے حق کی توہین کرتا ہے۔

مسلمانوں کے دینی مدارس کو جو امداد ملتی ہے اور اس سے دین کی اشاعت کا کام لیا جاتا ہے اس امداد کو "امداد برائے دہشت گردی" کا نام دے کر روکنا پڑے گا۔ مسلمانوں کی موجودہ نسل کے لیے ماہر علما کی تحریروں کی جگہ ان لوگوں کی تحریروں کو رکھنا ضروری ہے جو خود ہی اپنی لکھی اور کہی بات سمجھ نہ پاتے ہوں۔ مجھے ناز ہے ان دیوبندیوں پر جن کی بوگس تحریروں کو عبد اللہ یزدی، محقق دوانی، علامہ جامی، فتح اللہ شیرازی اور علامہ عصام کی تحریروں کی جگہ رکھا گیا ہے۔ اس لیے کہ ان محققین اور ان کے ہم پایہ مصنفین کی کتابوں کو پڑھنے کی وجہ سے ہی تبلیغ و مناظرہ کے ماہر پیدا ہوتے تھے۔ ان کی تحریروں کو چھوڑنے کے بعد شکست خوردہ، بے ہمت، منتشر معلومات رکھنے والے علما پیدا ہوں گے اور ان کو ہم آسانی سے میدان سے بھگا سکتے ہیں۔ تحقیق علم اور حقیقی عربی کا ذوق ختم ہونا اسلام کی موت ہے۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ صدی میں ہم اس پر کامیاب ہو جائیں گے۔ بلکہ میری خواہش ہے کہ "انتخاب مراد آبادی" کے فتووں کی روشنی میں ہر مدرسے میں ڈھول اور تاشے کا انتظام ہو تاکہ ملت کے نونہال رقص و سرود کی محفلیں منعقد کر سکیں۔

میں اپنے وزیروں سے گزارش کروں گا کہ ابھی بہت خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یاد رکھیے! سوشلزم، کمیونزم اور جدید جمہوریت مکمل طور پر فیل ہو چکی ہے۔ دنیا کسی عدل و انصاف والے نظام کی طرف سر اٹھا رہی ہے، ایسے میں اسلامی مبلغین، دین اور شعور رکھنے والے علمائے حق، اسلام کو دنیا کے سامنے متبادل کے طور پر پیش کر رہے ہیں اور اسلامی نظام کو بعض ملکوں میں جزوی طور پر آزمایا جا رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ دنیا بھی اسی کی طرف جھکتی چلی جائے۔ لہٰذا مسلمانوں کے تمام طبقات کو خود غرضی اور جہالت میں رکھنا ہی ضروری ہے۔ تقریروں میں دین کی تبلیغ اور علمی اداروں میں اسلام کے نظام کا چرچا نہیں ہونا چاہیے۔ فضائل کے جلسے اور بے تکے خطبے ہی منعقد کرانے چاہئیں۔ مسلمانوں کے بڑے اداروں میں ایک شام ہر شاعر کے نام ہونی چاہیے اور دین و تبلیغ کے تعلق سے عوام تک بحث نہیں جانی چاہیے۔

میں تمام حاضرین کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر ہم شیاطین کے جلسے میں شرکت کی۔ مجھ ابلیس کو خود ہی نظامت کرنا پڑی تاکہ بار بار آپ حضرات میرے مختلف رنگ روپ دیکھ سکیں۔ آپ کو بربادی مبارک ہو! فساد زندہ باد، گمراہی زندہ باد۔ آپ کا عدوے مبین، شیطانِ لعین۔ ☆☆☆☆☆

منظومات

حسن عطا کے ہاتھ

مشکل پڑی تو میں نے اٹھائے دعا کے ہاتھ .... اب میری آبرو ہے رسولِ خدا کے ہاتھ
میری طرف بھی ایک نگاہِ کرم حضور! .... پھیلے ہوئے ہیں دیر سے میری صدا کے ہاتھ
سورج پلٹ پڑا، کبھی مہتاب شق ہوا .... وہ معجزے دکھائے نبی نے اٹھا کے ہاتھ
کوئی بڑا نہ چھوٹا تری بارگاہ میں .... یکساں تری نظر میں ہیں شاہ و گدا کے ہاتھ
سنتا ہوں روز جاتی ہے سوئے درِ حبیب .... بھیجوں گا میں سلام عقیدت صبا کے ہاتھ
ہونٹوں پہ حرفِ شوق ہے آنکھوں میں اشکِ غم .... رحمت سے اپنی بھر دو مری التجا کے ہاتھ
شرمندہ اس قدر ہوں گناہوں پہ آج میں .... اٹھتے نہیں ہیں بارِ حیا سے دعا کے ہاتھ
جن رفعتوں پہ میرے نبی کے قدم گئے .... پہنچیں گے حشر تک بھی نہیں ارتقا کے ہاتھ

مسرور کو طلب سے زیادہ ہی مل گیا
کتنے شفیق ہیں ترے حسنِ عطا کے ہاتھ

شعور و آگہی دیتا ہوا

سبز گنبد ہے نظر میں روشنی دیتا ہوا ... راہ گم کردہ کو شمعِ رہبری دیتا ہوا
چل پڑے طیبہ تو پھر کیسی تھکن، کیسا پڑاؤ ... یہ سفر تو ہے پیامِ سرخوشی دیتا ہوا
ذرہ ذرہ خاکِ طیبہ کا ہے صد رشکِ نجوم ... چاند کو بھی نور کی تابندگی دیتا ہوا
کس قدر پاکیزہ تر ہے اسوۂ امی لقب ... دانش و حکمت، شعور و آگہی دیتا ہوا
آپ کے در کا گدا ہے کس قدر با اختیار ... فقر و درویشی کو تاجِ خسروی دیتا ہوا
دیکھ قرآنِ معظم، لفظ و معنیٰ کو سمجھ ... ہر سطر ہے اک نظامِ زندگی دیتا ہوا
اے ظہورِ پاک تیرا حسن جانِ رنگ و بو ... صبح کی دوشیزگی کو تازگی دیتا ہوا
گنبدِ خضرا کا وہ پر نور منظر دیکھیے ... رات کے آنچل کو جیسے چاندنی دیتا ہوا

انس مسرور انصاری

ساتھ ساتھ

شہرت بہت ملی مجھے عزت کے ساتھ ساتھ ... سب کچھ ملا ہے نعت کی دولت کے ساتھ ساتھ
اٹھیں گے حشر میں تری مدحت کے ساتھ ... جنت نصیب ہو تری قربت کے ساتھ ساتھ
مومن اگر ہیں آپ تو اسلاف کی طرح ... سیرت بھی پاک چاہیے صورت کے ساتھ ساتھ
ایمان اگر نہیں ہے تو سارے عمل فضول ... دنیا بھی روٹھ جائے گی جنت کے ساتھ ساتھ
مومن کو رب نے بخشا ہے وہ جذبۂ خلوص ... شوقِ جہاد ذوقِ شہادت کے ساتھ ساتھ
مقبولِ بارگاہِ نبی ہوگی اے وصی ... لکھو گے تم جو نعت عقیدت کے ساتھ ساتھ

ڈاکٹر وصی مکرانی واجدی، نیپال

وفیات

حضرت مولانا مبین الہدیٰ گیاوی

مولوی سرفراز احمد لکھنوی متعلم جامعہ اشرفیہ نے یہ افسوس ناک خبر سنائی کہ آج صبح دورانِ سفر مولوی برہان الہدیٰ مصباحی کے والدِ گرامی حضرت مولانا مبین الہدیٰ مصباحی کا اچانک انتقال ہو گیا۔ یہ حادثاتی خبر سن کر میں غم کی تصویر بن گیا اور زبان سے کلماتِ استرجاع جاری ہوگئے۔ یہ ۶/ ذی قعدہ ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۶/ اکتوبر ۲۰۰۹ء کی بات ہے۔ یہ افسوس ناک خبر جب ہم نے جامعہ کے سربراہِ اعلیٰ عزیز ملت کو پہنچائی تو معلوم ہوا کہ حضرت کو خبر مل چکی ہے۔ حضرت عزیز ملت نے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ عزیز المساجد میں ان کے لیے دعاے مغفرت کرادی جائے۔ اسی دن بعد نماز عشا عزیز المساجد میں قرآن خوانی اور فاتحہ خوانی کا اہتمام کیا گیا۔ راقم سطور نے حضرت مولانا علیہ الرحمہ کے خاندان اور ان کی دینی اور تبلیغی خدمات پر روشنی ڈالی اور مفتی زاہد علی سلامی نے ان کے لیے دعاے مغفرت کرائی۔ "تنظیم ابنائے اشرفیہ" مبارک پور نے ان کی رحلت کی خبر روزنامہ راشٹریہ سہارا لکھنؤ میں شائع کرائی۔

حضرت مولانا مبین الہدیٰ مصباحی آستانہ بیت الانوار گیا کے چشم و چراغ اور گوناگوں اوصاف کے حامل تھے۔ جامعہ اشرفیہ ان کا مادرِ علمی تھا اور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی ان کے مشفق استاذ تھے۔ وہ بڑی پابندی سے عرسِ حافظ ملت میں شرکت فرماتے تھے۔ راقم سطور سے برسوں سے ان سے تعلقات تھے۔ موصوف بڑے بلند اخلاق اور ملنسار تھے، جب ملتے باغ باغ ہو جاتے۔ امسال عرسِ عزیزی کے موقع پر ان کے فرزند ارجمند مولانا برہان الہدیٰ سلمہ کی دستار بندی تھی۔ فارغین بڑے اہتمام سے اپنے اپنے کمروں میں فاتحہ خوانی کراتے ہیں اور اپنے احباب و متعلقین کو مٹھائیاں کھلاتے ہیں۔ عام طور پر اساتذہ، طلبہ کی ان محفلوں سے گریز کرتے ہیں۔ مگر بے پناہ اصرار اور ان کے خاندان سے قریبی روابط کی وجہ سے مجھے بھی شریکِ فاتحہ ہونا پڑا۔ محفل میں حضرت مولانا مبین الہدیٰ گیاوی مصباحی، شہزادہ فیض العارفین حضرت مولانا راشد میاں مصباحی سے بھی ملاقات ہوئی۔ حضرت مولانا مبین الہدیٰ مصباحی علیہ الرحمہ سے یہ ہماری آخری ملاقات تھی۔ اپنی مخصوص وضع قطع میں اچھے خاصے صحت مند تھے۔ حسبِ سابق مسرت و شادمانی کے ماحول میں ملاقات ہوئی، کسی گوشۂ ذہن میں بھی یہ بات نہیں آئی کہ مولانا مرحوم سے یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔

بیت الانوار گیا بہار کی مشہور علمی اور روحانی خانقاہ ہے۔ اس کے مورثِ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ نور الہدیٰ علیہ الرحمہ تھے اور وہ حضرت مولانا سید شاہ عین الہدیٰ لکھنوی علیہ الرحمہ کا کر گاچھی شریف کلکتہ کے شاگرد و جانشین تھے۔ ۱۳۵۳ھ میں حضرت مولانا شاہ نور الہدیٰ قادری علیہ الرحمہ نے حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کو سنی تبلیغی اجلاس میں پہلی بار مدعو کیا اور اس کے بعد دونوں طرف سے آمد و رفت اور خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مولانا مبین الہدیٰ گیاوی کے والدِ گرامی سراج ملت حضرت مولانا شاہ سراج الہدیٰ علیہ الرحمہ اور حضرت مولانا تجمل ہدیٰ علیہ الرحمہ بھی حضرت حافظ ملت کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ پھر حضرت مولانا مبین الہدیٰ مصباحی اور ان کے برادران خورد اور خاندان کے دیگر افراد نے بھی جامعہ اشرفیہ میں تعلیم حاصل کی۔ ایک بار حضرت سراج ملت اشرفیہ تشریف لائے تو راقم سطور سے فرمایا کہ حافظ ملت جو پینے والا تعویذ لکھتے تھے ہمارے خاندان کے ایک بزرگ کا دیا ہوا ہے۔ غالباً حضرت مولانا شاہ نور الہدیٰ علیہ الرحمہ کا نام لیا تھا۔ اسی کے ساتھ انھوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ انھیں یہ تعویذ ایک جن نے دیا تھا۔ اس تعویذ کو آج بھی بہت سے تلامذۂ حافظ ملت لکھتے ہیں، آسیب و سحر کے لیے اکسیر ہے اور دور دور تک "حافظ ملت والا تعویذ" مشہور ہے۔

حضرت مولانا مبین الہدیٰ مصباحی کی پیدائش ۲/ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ میں ہوئی۔ حضور حافظ ملت نے ۳۰/ جمادی الآخرہ ۱۳۶۶ھ کو بنام سراجِ ملت ایک مکتوب تحریر کیا، مکتوب کا آخری جملہ تھا "مولوی مبین الہدیٰ سلمہ کو دعا و پیار"۔ اس وقت مولانا مرحوم کی عمر صرف ڈیڑھ برس کی تھی اور حافظ ملت نے اپنے دعائیہ کلمات میں ان کے نام کے ساتھ "مولوی" لکھا۔ یہ بلاشبہہ حافظ ملت کی کرامت تھی کہ جسے ڈیڑھ برس کی عمر میں مولوی لکھ دیا وہ مولوی ہو کر رہا ــــ سچ ہے:

ع تری زباں سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی

مولانا مبین الہدیٰ گیاوی باشعور ہوئے تو ان کے والد گرامی حضرت سراجِ ملت نے انھیں دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں داخل کرایا۔

سراجِ ملت اور خانوادۂ بیت الانوار سے قدیم روابط تھے۔ داخل ہوتے ہی مولانا مبین الہدیٰ حضور حافظ ملت کی خصوصی توجہات کے محور بن گئے۔ حافظ ملت اپنے طلبہ کے اخراجات پر بھی نظر رکھتے تھے، ضرورت مند طلبہ کو اپنی جیبِ خاص سے بھی اخراجات عطا فرماتے رہتے اور بطور قرض بھی عنایت فرماتے رہتے، اس کی بہت سی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ شاید اسی پس منظر میں حافظ ملت بنام سراجِ ملت اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"برخوردار مبین الہدیٰ سے آپ مطمئن رہیں، انشاء اللہ تعالیٰ ان کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی، جو ضرورت ہو اور جس قدر ضرورت ہو میں دے سکتا ہوں، مگر میرے علم میں آئے کہ واقعی ضرورت ہے۔ بے ضرورت پیسہ ان کے لیے مضر ہے، صرف یہی وجہ ہے اس لیے میں بقدرِ ضرورت دیتا ہوں۔"

حضور حافظ ملت نے مولانا مبین الہدیٰ کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ فرمائی، بلکہ ابتدائی درجات کی بنیادی کتابیں خود پڑھائیں ،بقول مولانا مبین الہدیٰ: "خاکسار پر ان کا کرم بالائے کرم تو دیکھیے کہ میزان، منشعب، نحو میر، ہدایۃ النحو، شرح مأۃ عامل وغیرہ عربی گرامر کی وہ ابتدائی کتابیں ہیں جن کا پڑھانا عام طور پر عالیہ درجے کے مدرسین اپنی کسر شان سمجھتے ہیں، لیکن حافظ ملت نے اپنی مرضی سے محض میری خاطر ان ابتدائی کتابوں کو اپنے ذمہ لے لیا۔"

(حافظ ملت نمبر، ص:۳۰۴)

حافظ ملت کی خصوصی نوازشات کا اندازہ اس مکتوب سے بھی ہوتا ہے جو حضرت نے مولانا مبین الہدیٰ مرحوم کے نام تحریر فرمایا ہے۔ مکتوب کا اقتباس ذیل میں پڑھیے:

"آپ میں تو بڑی خصوصیت ہے آپ حضرت سراج ملت دامت برکاتہم کے چشم و چراغ ہیں، آستانۂ عالیہ کے نہال ہیں، محض آپ ہی کی وجہ سے میں نے ابتدائی کتابیں پڑھائیں اور کافی محنت کی، میں آپ کا مخلص بہی خواہ ہوں، آپ کو بہتر سے بہتر اور قابل سے قابل دیکھنا چاہتا ہوں۔ مولائے قدیر آپ کی عمر میں برکت، علم و فضل میں وسعت عطا فرمائے، عالم دین، خادم دین، آستانہ عالیہ کا روشن چراغ اور اپنے وقت کا آفتاب بنائے۔"

حضرت مولانا مبین الہدیٰ مصباحی حافظِ قرآن تھے۔ قراءت کی تکمیل آپ نے دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں فرمائی۔ حضرت حافظ ملت کی خصوصی توجہ اس رخ پر بھی بھرپور رہی۔ قریب ایک سال تک حافظِ ملت نے ان کا حفظِ قرآن سنا۔ حافظِ ملت خود بھی بہت اعلیٰ حافظ و قاری تھے۔ حافظ ملت کی اس خصوصی کرم نوازی کا اظہار کرتے ہوئے مولانا مبین الہدیٰ مصباحی لکھتے ہیں۔ "قرآن مجید سننے کے معاملے میں مجھ پر ان کی یہ عنایت کچھ کم نہیں کہ اپنی مصروفیات کے باوجود تقریباً ایک سال تک روزانہ بعد نمازِ عصر اپنی مسجد میں میرا حفظِ قرآن سنتے اور اس کی اصلاح فرماتے۔"

(حافظ ملت نمبر، ص:۳۰۳)

ایک بار حضرت مولانا مبین الہدیٰ مصباحی نے مجھ سے فرمایا کہ "حافظ ملت کی کفش برداری میں کلکتہ گیا، ٹرین شاہ گنج اسٹیشن سے پکڑنی تھی۔ ٹرین میں بیٹھ کر حافظ ملت مسلسل پڑھتے رہے۔ جب ہم لوگ ہاوڑہ اسٹیشن پر اترنے لگے تو حضرت نے فرمایا، آپ نے راستے میں کیا کیا؟ میں خاموش رہا تو حضرت نے فرمایا: دیکھیے جب میں شاہ گنج اسٹیشن سے ٹرین میں بیٹھنے لگا تو بسم اللہ پڑھ کر قرآن عظیم شروع کیا اور ہاوڑہ اسٹیشن پر آیا تو سورہ ناس پڑھ کر قرآن عظیم مکمل کر لیا۔"

دار العلوم اشرفیہ سے ان کی فراغت شعبان ۱۳۸۹ھ / اکتوبر ۱۹۶۹ء میں ہوئی۔ حضرت حافظ ملت کے بہت سے مکتوبات مولانا کے پاس محفوظ تھے، ان کی زیر کس مجھے بھی عنایت فرمائی تھی، میں اپنی مصروفیات کی وجہ سے ان پر کام نہ کر سکا۔ اگر موقع ملا تو انشاء اللہ ان پر ضرور کچھ لکھوں گا۔

مولانا مبین الہدیٰ مصباحی آستانہ بیت الانوار گیا کے چشم و چراغ بھی تھے اور علامہ ارشد القادری کے برادرِ کبیر فیض العارفین حضرت مولانا شاہ غلام آسی پیا علیہما الرحمہ کے داماد بھی تھے۔ آپ نے دونوں کا حلقۂ ارادت پایا، تاج دار اہل سنت حضرت مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفیٰ رضا بریلوی علیہ الرحمہ سے اجازت و خلافت بھی حاصل تھی۔ سلسلہ قادریہ رضویہ میں بیعت بھی فرماتے تھے۔ آپ کا حلقۂ ارادت خاصا وسیع تھا۔ مسلسل تبلیغی دوروں پر رہتے تھے۔ موصوف قریب بیس برس تک باری مسجد آزاد نگر جمشید پور میں امامت و خطابت کی ذمہ داری سنبھالی، وہاں درس و تدریس کا سلسلہ بھی تھا، جواہر نگر مانگو جمشید پور میں اپنی ذاتی زمین پر ایک مسجد تعمیر کی اور بنام "گلشن حسین" ایک مدرسہ بھی قائم کیا۔ ۲۷/ اکتوبر بروز سہ شنبہ نمازِ جنازہ ادا کی گئی اور رہائش گاہ سے متصل تدفین عمل میں آئی۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور پس ماندگان کو صبر و شکر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مبارک حسین مصباحی

صدائے بازگشت

یہ کالم ایک "صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے" - اس کے تحت علمی، فکری، تنقیدی اور تجزیاتی مراسلات کو ترجیح دی جائے گی۔

آپ کا اداریہ پاکستان میں دل چسپی سے پڑھا گیا

حضرت محترم و مکرم علامہ مبارک حسین صاحب مصباحی زید مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

ڈاک کی گرانی اور تعطل کے باوجود آپ کا ماہ نامہ اشرفیہ اگست و اکتوبر مبارک پور سے لاہور آپہنچا۔ ستمبر کا شمارہ ڈاک والوں نے روک لیا، شاید اگلے ہفتے آجائے، میں آپ کی اس خصوصی عنایت کے لیے بے حد ممنون ہوں، ورنہ ہندوستان سے آنے والے رسائل رک گئے ہیں۔

اکتوبر ۲۰۰۹ء کے شمارے میں آپ نے مہمان اداریہ شائع کیا ہے، حالاں کہ آپ کے مہمانِ عزیز (علامہ عبد المبین نعمانی) علمائے اہل سنت کے ہر گھر کے مہمان ہیں اور معزز فرد ہیں۔ انھوں نے "اکابر اہل سنت اور ہماری غفلت" لکھ کر پاک و ہند کے سنی علمائے کرام کو ازخوب گراں خیز کی آواز سے جگانے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے توجہ دلائی ہے کہ سنی اپنے اسلاف کے علمی خزانوں کو لٹتے نہ دیکھیں۔ غیر لوگ ڈاکو بن بن کر انھیں لوٹ رہے ہیں، مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ انھوں نے بعض کتابوں کی نشان دہی بھی کی ہے جو ہماری غفلت کی چادروں میں لپٹی ہوئی ہیں۔ مجھے ان کی اس درد مندانہ تحریر نے کروٹ بدلنے پر مجبور کیا۔ کاش! ہم مل کر "کتابیں اپنے آبا کی" کو زیورِ طباعت سے مزین کریں۔

آپ کا اپنا اداریہ اگست ۲۰۰۹ء مفصل ہے، پاکستان میں علمائے کرام نے دل چسپی سے پڑھا، مفتی سرفراز نعیمی شہید کی شہادت پر لکھا ہے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے آپ مبارک پور سے آکر دار العلوم جامعہ نعیمیہ لاہور میں آبیٹھے ہیں اور مولانا نعیمی کی شہادت کا ایک ایک لمحہ، دار العلوم کا ایک ایک فرد، ایک ایک غم گسار آپ کے پاس بیٹھا ہے اور آپ ہر ایک سے باتیں کر کے اداریہ لکھ رہے ہیں۔ آپ نے اس دردناک اداریہ میں مجھے بھی شریکِ غم کیا ہے اور میری آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کو اپنے قلم کے دامن سے پونچھ سکے، پھر سارے ہندوستان کے اہل قلم کو اس سانحہ فاجعہ سے آگاہ کیا ہے۔

اشرفیہ کے دوسرے مضامین بھی پسند آئے آپ کے رفقائے علم و قلم نے بڑی تحقیق سے لکھے ہیں۔ "جہانِ رضا" کے کچھ شمارے حاضر کر رہا ہوں۔ خود ایک نظر التفات سے نوازیں، حضرت علامہ عبد المبین نعمانی صاحب کی نذر کریں، پھر اپنے احباب کو پہنچا دیں۔ اللہ تعالیٰ اشرفیہ کا دروازہ کھلا رکھے۔ المنۃ للہ کہ درِ مے کدہ باز است! والسلام

اقبال احمد فاروقی، لاہور

ایک ایسا قدم جسے وقت بھی سلام کرے

شہنشاہِ قرطاس و قلم مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب۔ سلام مسنون

گل دستہ اشرفیہ اپنے وسیع دامن میں جہاں ادبی، اصلاحی اور اسلامی مضامین کو سموئے ہوئے ہوتا ہے، وہیں آفاقی، ملی، ثقافتی اور فکری مضامین سے بھی آراستہ و پیراستہ ہوتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جب ماہ نامہ قارئین کے ہاتھوں میں پہنچتا ہے تو ان کے چہروں پر بشاشت چھا جاتی ہے۔

ماہ نامہ اشرفیہ نے امتیازی حیثیت حاصل کرنے میں جو کردار ادا کیا ہے وہ لائق تحسین ہے یہ ایک ایسا قدم ہے جسے وقت بھی سلام کرے۔ ماہ نامہ جلیل القدر اصحابِ قلم کے مضامین پر مشتمل ہوتا ہے جس سے اس کو منفرد حیثیت حاصل ہے۔ فقط والسلام۔

وسیم اکرم نفیسی مراد آبادی، جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی، مئو

مجاہد ملت ایوارڈ پر مبارک باد

نازشِ لوح و قلم آبروئے صحافت جناب چیف ایڈیٹر صاحب قبلہ

تحیۃً و سلاماً

اسلام و سنیت کی بہتر نمائندگی اور دینی و قلمی خدمات کی بنیاد پر "مجاہدِ ملت ایوارڈ" سے سرفراز کیے جانے پر سب سے پہلے میں آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اکتوبر ۲۰۰۹ء کا موقر جریدہ "ماہ نامہ اشرفیہ" کے مطالعہ سے شاد کام ہوا۔ دیدہ زیب، عمدہ طباعت اور حسن صوری و معنوی سے مرصع ہے۔ اس کا ہر مضمون دامن دل کو کھینچتا ہے کہ "جا ایں جا است"۔ حضرت علامہ عبد المبین نعمانی صاحب قبلہ کا "مہمان اداریہ" فکر انگیز بھی ہے اور درد انگیز بھی۔ حالات کا یہ جبری مطالبہ ہے علمائے اہل سنت کی وہ تحریریں جو ہماری غفلت کے باعث آج تک الماریوں کی زینت بنی ہوئی ہیں، انھیں منظر عام پر لایا جائے اور ہمارے مسلکی حریف جنھوں نے مکر و فریب اور قلبی عناد کا ثبوت دیتے ہوئے علمائے اہل سنت کی تصنیفی خدمات کو اپنے کھاتے میں ڈال رکھا ہے انھیں بے نقاب کیا جائے۔ اس سلسلے میں "مجلس برکات" کی پیش رفت لائق ستائش اور قابل تقلید ہے۔ دیگر مشمولات وقیع اور معلومات افزا ہیں۔ آپ کی تازہ ترین کتاب

"شہر خموشاں کے چراغ" نگاہوں سے گزری۔ پڑھ کر بے ساختہ یہ جملہ ذہن و فکر کے دریچے پر دستک دینے لگا کہ "علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے بعد خاکہ نگاری میں آپ کو ملکۂ تامہ حاصل ہے۔"

اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے قلم میں توانائی، تحریر میں شگفتگی اور فکر میں بالیدگی عطا فرمائے۔ آمین۔ بجاہ سید المرسلین علیہ التحیۃ والثنا۔

فقط۔ **محمد منظر حسین نوری** اورنگ آبادی

جدید مسعیٰ کے مسائل اہم ہیں

فخر صحافت حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ماہنامہ "اشرفیہ" شمارہ اکتوبر ۲۰۰۹ء نظر نواز ہوا، الحمد للہ جملہ مشمولات عمدہ سے عمدہ تر ہیں، علامہ عبد المبین صاحب کے مہمان اداریے نے نئی فکر کی راہ دکھائی ہے۔ اس شمارے میں خاص تحفہ حجاج کرام کے لیے "جدید مسعیٰ" کے مسائل ہیں۔ اس شمارے میں راقم الحروف کا ایک مضمون بھی شائع ہوا ہے جس کے لیے میں آپ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں، یہ مضمون حضرت علی ظریف اعظمی عراقی کا رسالہ "الدر والیاقوت فی محاسن السکوت" کے باب دوم کا ترجمہ ہے، یہ کتاب کل ۶/ ابواب پر مشتمل ہے: جن کے عنوانات اس طرح ہیں: (۱) خاموشی کے محاسن وفوائد احادیث رسول کی روشنی میں۔ (۲) خاموشی کے محاسن وفوائد انبیا علیہم السلام کے اقوال کی روشنی میں۔ (۳) خاموشی کے محاسن وفوائد صحابہ اور علما کے اقوال کی روشنی میں۔ (۴) خاموشی کے محاسن وفوائد حکما وادبا کے اقوال کی روشنی میں۔ (۵) خاموشی کے محاسن وفوائد سلاطین وامرا کے اقوال کی روشنی میں۔ (۶) جواہر پارے۔ پورا رسالہ عربی ادب کا اعلیٰ شاہکار ہے اور فضول گو حضرات کے لیے بہترین وعظ ونصیحت ہے۔ رسالے کا ترجمہ مکمل ہو چکا ہے۔ ماہر لسانیات ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی کی نظر عنایت سے گزر چکا ہے اور حضرت نے تقابلی مطالعہ فرما کر اس کی اصلاح کر کے مجھ حقیر پر کرم فرمایا ہے۔ آپ اگر قسط وار شائع کر دیں یا کتابی شکل میں آپ کا مکتبہ شائع کر دے تو قوم کو ایک بہترین تحفہ دستیاب ہو سکتا ہے۔ فقط والسلام

عبد الخبیر اشرفی مصباحی، مخدوم اشرف مشن، پنڈوہ شریف، مالدہ۔

مرکزی مدرسہ بورڈ کی مخالفت کیوں؟

آبروے صحافت حضرت مولانا مبارک حسین صاحب مصباحی

سلام مسنون!

ماہ نامہ اشرفیہ اکتوبر ۲۰۰۹ء کا تازہ شمارہ باصرہ نواز ہوا۔ مضامین عمدہ اور عصری تقاضے کے مطابق ہیں۔ اخبارات ورسائل پر سرسری نظر ڈالنے والوں پر یہ بخوبی آشکارا ہے کہ آج کل "مرکزی مدرسہ بورڈ" ہر عام و خاص کے لیے موضوعِ بحث بنا ہوا ہے۔ دیوبندی مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے بہت زور وشور سے آمادۂ مخالفت ہیں، کیوں کہ اس سے ان کے مفاد پر کاری ضرب لگتی ہے۔ مرکزی مدرسہ بورڈ قائم ہونے کی صورت میں عوام سے ان کا رابطہ ٹوٹ جائے گا، جیسا کہ انھیں کا کہنا ہے تو پھر ان کا اور ان کے پرکھوں کا مشن کیسے آگے بڑھے گا۔ اس لیے ان کو سکے اور نوٹ کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ ان کے پاس تو سعودی عرب سے اپنے مشن کو آگے بڑھانے کے اعتراف میں ڈالرز آجاتے ہیں۔ اس کے برخلاف ہمارے سنی علما اس تعلق سے بالکل سرد مہری کی چادر تانے ہوئے ہیں جس سے امتِ مسلمہ میں سخت اضطراب ہے۔ وہ یہ فیصلہ نہیں کر پا رہی ہے کہ آیا اس کا قیام مدارس، عام مسلمان اور علما کے حق میں مفید ہے یا مضر۔ قوم دینی امور میں علماے کرام کو رہ نما اور پیشوا مانتی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ آج جب میں یہ خط لکھ رہا ہوں تو ہمارے سامنے روزنامہ "راشٹریہ سہارا" رکھا ہے جس میں آپ نے اہل سنت و جماعت کی طرف سے مشروط حمایت کی ہے۔ یہ اقدام اور اعلان لائق تحسین ہے۔ آپ نے جو شرائط پیش کیے ہیں وہ مدرسہ بورڈ کے مخالفین اور ان کی دلیلِ مخالفت کے لیے زور دار طمانچہ ہے۔ بلا شبہہ اگر ان سارے شرائط کے ساتھ مدرسہ بورڈ کا قیام عمل میں آتا ہے تو اس کے بہت خوش گوار نتائج برآمد ہوں گے اور انشاء اللہ مسلمانوں کے اندر پھر سے دینی تعلیم کے حصول کا شوق پیدا ہوگا۔ فقط

محمد صدام حسین، کیری شریف، بانکا

تبصرہ نگاری کے لیے اصول تبصرہ کی رعایت ضروری ہے

حضرت فخر صحافت مولانا مبارک حسین صاحب مصباحی

سلام مسنون!

نومبر کا شمارہ اپنی تمام تر خوبیوں کے ساتھ نظر نواز ہوا۔ پچھلے ایک ماہ سے مدرسہ بورڈ کے متعلق ذہنی کش مکش میں مبتلا تھا، مگر اداریہ پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ اس شمارے کے جملہ مشمولات نہایت وقیع اور معلومات افزا ہیں۔ خصوصاً "بزمِ دانش" میں دیے گئے عنوان "اردو نثر کے عصری اسالیب" کے تحت دو تحریریں شائع ہوئیں۔ گرامی وقار مہتاب پیامی اور مولانا محمد ناصر مصباحی رام پوری دونوں حضرات نے اقسامِ اسالیب کو مثالوں کی روشنی میں دلچسپ انداز میں واضح کیا ہے۔ اس کو پڑھ ہی رہا تھا کہ میرے ایک قریبی دوست اکتوبر کا ماہ نامہ "جام نور" لیے

ہوئے تشریف لائے اور مطالعہ کی میز پر یہ کہتے ہوئے رکھ کر واپس ہو گئے کہ "تبصرہ ضرور پڑھنا" ان کی یہ بات سن کر جام نور ہاتھ میں لیا اور سب سے پہلے تبصرے ہی کو پڑھنا شروع کیا۔ جس کتاب کو تبصرہ کے لیے منتخب کیا گیا ہے، اس کا نام ہے "شہر خموشاں کے چراغ" جو وفیات کے باب میں نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے، بلکہ میرے خیال سے مرحومین علماے اہل سنت کے مجموعی تذکرے پر مشتمل اس نہج کی کوئی کتاب ابھی تک ہندوستان میں منصۂ شہود پر نہیں آئی ہے۔

زیرِ نظر کتاب کے مبصر مولانا ضیاء الرحمن علیمی ہیں جو پچھلے کئی ماہ سے مسلسل جام نور میں لکھ رہے ہیں۔ متعدد کتابوں پر تبصرے بھی کر چکے ہیں مگر کتابِ مذکورہ پر کیے گئے تبصرے کو پڑھ کر نہایت حیرت ہوئی کہ ضیاء الرحمن علیمی جیسا مبصر مگر تبصرے کے اصول وآداب سے یکسر ناواقف! جو دل میں آیا آزادی کے ساتھ لکھ ڈالا حتیٰ کہ خلافِ واقعہ سے بھی گریز نہ کیا۔ مثلاً لکھا ہے کہ "شہر خموشاں کی تقریب کے عنوان سے چار صفحات پر مشتمل مصنف کا ایک مقدمہ ہے" حالاں کہ مصنف کا مقدمہ چار نہیں بلکہ پانچ صفحات پر مشتمل ہے۔ آگے لکھا ہے کہ "شبلی کی سیرت کے مطالعے کے بعد نبی کریم ﷺ کی عظمت دل میں پیدا ہوتی ہے، ان سے لگاؤ کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علیمی صاحب نے شبلی کی سیرت النبی کا مطالعہ زبانی کیا ہے، کیا نہیں دیکھا کہ شبلی نے مستشرقین کے اعتراضات پر کس دبے انداز میں سرِ تسلیم خم کیا ہے۔ بعض مقامات پر تو محض ہوں ہاں پر ہی قلم بند کیا ہے۔ اگر مبصر کے نزدیک محض اسی سے دل میں عظمتِ رسول پیدا ہوتی ہے تو ان کی اس معیاری گفتگو پر "قالو سلاما" کہہ کر آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔

ذرا آگے چل کر لکھا ہے: "البتہ کتاب کا سرورق جتنا جاذب نظر ہے اور ذوقِ رفیع کا جتنا اعلیٰ نمونہ ہے، اندرونی ٹائٹل پیج اتنا ہی بد نما اور بد ذوقی کی اعلیٰ مثال ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ سرورق کی فوٹو کاپی کرا کے اندرونی ٹائٹل پیج کے طور پر استعمال کر لیا گیا ہے۔ کاغذ بھی ہلکا اور طباعت اتنی غیر معیاری کہ پوری کتاب پر فوٹو کاپی کا گمان ہوتا ہے۔" لیجیے! یہ ہے علیمی صاحب کا تبصراتی اسلوب جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نے بڑے ضبط سے کام لیا ہے ورنہ جوشِ طبیعت سے معلوم ہوتا ہے کہ اثناے تبصرہ بھی دو چار لعنتیں لکھ دیتے، نہ معلوم کب سے تاک لگائے بیٹھے تھے کہ موقع پاتے ہی دل کی بھڑاس نکالنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔

حالاں کہ ایک اچھے مبصر کے لیے ضروری ہے کہ وہ غیر جانب دار ہو، سنجیدہ لب ولہجہ اور آفاقی سوچ کا مالک ہو۔ معیاری و غیر معیاری تحریروں میں فرق شناسی بھی تبصرے کا بنیادی اصول ہے۔ نیز مبصر کا مقصد کتاب کے ادبی اور اہم گوشوں کو اجاگر کرنا ہوتا ہے، نہ یہ کہ اس کا ٹائٹل کیسا ہے، اس کے اندرونی وبیرونی ورق پر بیل بوٹے کس طرح کشیدہ ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ایک اچھے مبصر کو کتابی ٹائٹل کی لکیروں میں تلاشِ حسن کے لیے بھٹکتے پھرنا، فوٹو کاپی اور طباعت میں مجانست کے لیے دماغ سوزی کرنا ضروری نہیں اور وہ بھی ترش لب ولہجے میں۔ بلکہ ایک کامیاب مبصر وہی ہے جو ایک عام قاری کو کتاب کے مطالعہ کی طرف متوجہ کر دے، نہ یہ کہ نفرت کا سامان مہیا کرے۔ ایک اور جگہ لکھا ہے کہ "حضرت مولانا نے پورے مقدمہ میں اسی طرح کی باتیں کی ہیں جن کا اصل کتاب سے کوئی جوڑ نہیں۔ جناب مبصر صاحب عمر کے کس حصے میں قدم رنجہ ہیں مجھ کو نہیں معلوم، ضعفِ بصارت کے سبب کتاب کا ناشر کون ہے، اس کو نہ دیکھ سکے۔ عام سی بات ہے کہ جب کوئی کمپنی سامان تیار کرتی ہے تو اس کے ساتھ اپنا تعارف بھی ضرور کراتی ہے، مذکورہ کتاب کی نشر واشاعت کا کام چوں کہ "تنظیم ابناے اشرفیہ" کی جانب سے ہوا ہے۔ اسی کے پیشِ نظر اس کی خدمات پر طائرانہ نظر ڈالنا ضروری تھا۔ اگرچہ مکمل خدمات کا تذکرہ نہ کیا مگر اس کی عظیم خدمت بین الاقوامی میڈیا سمینار کی طرف اشارہ کر کے قلم پھر بھی اپنے مقصد پر گام زن ہے۔

بہر حال ہم کو بھرپور احساس ہے کہ علیمی صاحب کا غصہ دو آتشہ ضرور ہو گا، مگر جس بات کو ہم حق سمجھتے ہیں اس کے اظہار میں کسی کی خفگی کی پروا نہیں کرتے۔ اب ہم علیمی صاحب کو یہ مشورہ دیتے ہوئے رخصت ہوتے ہیں کہ آئندہ کسی اہم کتاب پر تبصرہ کرنے سے قبل تبصرہ کے اصول و آداب کا مطالعہ ضرور کر لیں اور تبصرہ میں بازاری لب ولہجہ سے گریز کریں۔

"فکر امروز" میں حضرت مولانا اسحاق مصباحی بڑی فکر انگیز تحریر لکھتے ہیں۔ ادھر کئی ماہ سے وہ شیطان کی دوسری مجلس شوریٰ کی رپورٹنگ کر رہے ہیں، کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ کب اس مجلس سے واپس آ رہے ہیں؟ کیا اس کے بعد وہ فرشتوں کی مجلس شوریٰ میں بھی شرکت کریں گے؟ فقط

محمد آصف رضا مراد آبادی

تنظیمی سرگرمیاں

جامعہ میں تحریری انعامی مقابلہ

۱۱/ نومبر ۲۰۰۹ء بروز بدھ جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں تنظیم "فکر و اصلاح" کے زیرِ اہتمام ایک تحریری انعامی مقابلہ کا انعقاد ہوا جس میں طلبہ نے پورے جوش و خروش کے ساتھ شرکت کی۔ مقررِ خصوصی کی حیثیت سے حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی جنرل سکریٹری تنظیم ابنائے اشرفیہ مدعو تھے۔

پروگرام کا آغاز قاری عابد رضا مصباحی کی تلاوت سے ہوا۔ حافظ کمال احمد مراد آبادی، فیض الحق مصباحی، ابو طلحہ وغیرہ طلبۂ اشرفیہ نے نعت و منقبت کے اشعار پیش کیے۔ علامہ مبارک حسین مصباحی نے علم دین اور تحریر و قلم کی اہمیت پر ایک پر مغز خطاب فرمایا۔ آپ نے فرمایا: اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب نے بہت بعد میں علم کی اہمیت کو سمجھا مگر اسلام نے روزِ اول ہی سے علم کی اہمیت کو واضح کر دیا تھا۔ علم اچھے اور برے دونوں کاموں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مگر دینی علوم کا واحد مقصد انسانیت اور صالح معاشرے کی تعمیر ہے۔ تحریر و قلم کی افادیت بیان کرتے ہوئے حضرت نے فرمایا: تحریر کی تاثیر دیر اثر اور دیر پا ہوتی ہے جب کہ خطابت کا اثر جلد ہی ظاہر ہو کر جلد ہی ختم ہو جاتا ہے۔

ابنائے اشرفیہ کی جاں فشانیوں اور ان کے نمایاں کارناموں پر اجمالاً روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ تحریر و قلم کی اہمیت اس دور میں بھی ہے اور اس کی قدر بھی کی جاتی ہے۔ جفاکش اور محنتی انسان کو قوم تلاش کرتی ہے۔ بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان اعظمی کو مثال میں پیش کیا کہ ان کی خدمات کے اعتراف میں خانقاہِ برکاتیہ نے چاندی سے تولا۔

اخیر میں تنظیم کے سابق صدر غلام مجتبیٰ نے تنظیم کی سابقہ خدمات کی روداد بیان کی پھر فخرِ صحافت کے ہاتھوں جماعتِ ثانیہ، اولیٰ، اعدادیہ کے شرکا میں اول، دوم، سوم پوزیشن حاصل کرنے والوں کو انعامات سے نوازا گیا۔ نظامت کے فرائض مولانا عبد الکریم جون پوری انجام دے رہے تھے۔ پروگرام کا اختتام فخرِ صحافت کی دعاؤں پر ہوا۔ منتظمین میں امتیاز احمد، غلام مجتبیٰ، امام الدین، اخلاص احمد کے اسما قابلِ ذکر ہیں۔

مرکزی مدرسہ بورڈ کے متعلق تنظیم کی میٹنگ

مرکزی تنظیم ابنائے اشرفیہ کے زیرِ اہتمام مرکزی مدرسہ بورڈ کے تعلق سے ایک اجلاس کا انعقاد کیا گیا، جس میں کثیر تعداد میں علمائے کرام و دانش وران اور ذمہ دارانِ مدارس نے شرکت کی۔ تنظیم کے جنرل سکریٹری مولانا مبارک حسین مصباحی نے کہا کہ اتر پردیش، بہار اور بنگال میں ایک عرصے سے صوبائی بورڈ کام کر رہے ہیں۔ یہاں کی حکومتوں نے ملحق مدارس میں اب تک کوئی ایسی مداخلت نہیں کی جسے دین پر حملہ کہا جائے۔ مرکزی مدرسہ بورڈ کو دین پر حملہ اور امریکہ و اسرائیل کی سازش کہنے والے حضرات کی مخالفت اصولی نہیں ہے اور وہ اپنے ذاتی مفادات کی خاطر لاکھوں غریب مدرسین اور طلبہ کے حال و مستقبل سے کھلواڑ کر رہے ہیں۔ ان سے گزارش ہے کہ خوف و خدشات کی فضا سے باہر نکل کر امتِ مسلمہ کے اجتماعی مفاد پر غور کریں۔ مولانا نے کہا کہ مرکزی مدرسہ بورڈ سے الحاق لازمی نہیں ہوگا۔ جن لوگوں کو اعتراض ہے وہ اپنے مدارس ملحق نہ کرائیں۔ مولانا مبارک حسین مصباحی نے اسی اجلاس میں حکومتِ ہند سے اپیل کی کہ، وہ مسلمانوں کی تعلیم کے حوالے سے سچر سفارشات کا جلد از جلد نفاذ کرے۔ مسلمانوں کے لیے تعلیمی ریزرویشن دے اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور جامعہ ملیہ دہلی کا اقلیتی کردار بحال کرے، نیز مسلم اکثریتی علاقوں میں زیادہ سے زیادہ اسکول اور کالجز کھولے تاکہ مسلمانوں میں تعلیمی بیداری عام ہو سکے۔

تنظیم کے نائب صدر مولانا یٰسین اختر مصباحی نے اپنے بیان میں کہا کہ اتر پردیش صدیوں سے دینی تعلیم کا مرکز ہے۔ آج بھی ہر مسلک کے مرکزی مدارس اتر پردیش ہی میں ہیں۔ یہاں ہر مسلک کے سیکڑوں مدارس امتحاناتِ عربی و فارسی بورڈ اتر پردیش جسے آزادی سے بہت پہلے قائم کیا گیا تھا، اس سے ملحق اور اس بورڈ کے نصاب پر مشتمل ہے۔ درجاتِ عالم و فاضل کا امتحان ان کے طلبہ دے کر بورڈ کی سند حاصل کرتے ہیں اور بورڈ سے منظور شدہ مدارس کو بذریعہ بینک تنخواہ ملتی ہے۔ یہ بات ذہن نشیں رہے کہ غیر ملحق مدارس کے بہت سے مدرسین کی قلتِ تنخواہ بھی بہت سی تعلیمی خرابیوں کو جنم دیتی ہے۔

مولانا حبیب اختر مصباحی نے کہا کہ: جہاں تک میری معلومات ہے بالکل پہلی بار کسی حکومتی شعبے میں تمام مسلم فرقوں کی نمائندگی ملحوظ رکھی گئی ہے، جس سے مذہبی نمائندگی کے اجارہ داروں کے ذہن میں خدشات پیدا ہو رہے ہیں اور انھیں خدشات کا اظہار وہ مدرسہ بورڈ کی مخالفت میں کر رہے ہیں۔

مولانا نعیم الدین مصباحی نے کہا کہ مجوزہ مدرسہ بورڈ کی مشروط حمایت قوم مسلم کے مفاد کا فیصلہ ہے جس سے فارغین مدارس یونیورسٹیز میں اعلیٰ تعلیم جاری رکھنے کے اہل ہوں گے اور معاشی اعتبار سے بھی مضبوط ہوں گے۔ جہاں تک یہ بات کہی جا رہی ہے کہ بورڈ کے قیام میں اسرائیل اور امریکہ کا ہاتھ ہے، یا حکومت مدارس پر قبضہ کر لے گی یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ مدارس دہشت گردی کے اڈے ہیں۔ ہمارے علما اور دانش وران کو چاہیے کہ مرکزی مدرسہ بورڈ کے تعلق سے سنجیدگی سے غور کریں۔

اجلاس میں مولانا زاہد علی سلامی، مولانا ادریس بستوی، مفتی بدر عالم مصباحی، مولانا ساجد علی مصباحی، مولانا نفیس احمد مصباحی، مولانا طفیل احمد مصباحی وغیرہ شامل تھے۔

خیر و خبر

سنی دعوتِ اسلامی کا سالانہ اجتماع

تحریک "سنی دعوتِ اسلامی" کا انیسواں سالانہ اجتماع منعقدہ ۳۰/۳۱/ اکتوبر و یکم نومبر نمازِ جمعہ کے بعد قاری ریاض الدین اشرفی کی تلاوت سے ہوا جس کا ترجمہ اردو اور انگریزی میں پیش کیا گیا۔ الحاج محمد رضوان صاحب نے قصیدۂ بردہ شریف و کلامِ رضا سے برکتیں حاصل کی۔ سید معین اشرف صاحب قبلہ نے دعائیہ کلمات فرماتے ہوئے اجتماع کے بحسن و خوبی مکمل ہونے کی دعا کی۔ مفتی محمد قدرت اللہ رضوی نے خواتین اسلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہر مسلمان مرد ہو یا عورت اس پر دین کا علم بہ قدرِ ضرورت حاصل کرنا فرض ہے۔ بعد نمازِ عصر سوالات و جوابات کا سیشن شروع ہوا اور محقق مسائلِ جدیدہ مفتی محمد نظام الدین رضوی صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے خواتین کے درجنوں سوالات کا تشفی بخش جواب دیا اور یہ سلسلہ مغرب تک چلا۔ بعد نمازِ مغرب امیرِ سنی دعوتِ اسلامی مولانا شاکر نوری کا خطاب ہوا۔ آپ نے خواتینِ اسلام کو پیغام دیا کہ اپنی زبان کا صحیح استعمال کریں، زبان کا صحیح استعمال یہ ہے کہ اسے تلاوتِ قرآن، تسبیحات، ذکرِ خدا و ذکرِ رسول اور اچھی باتوں کے لیے استعمال کریں۔ زبان سے جھوٹ نہ بولیں، غیبت نہ کریں کہ غیبت کرنا ایسا ہی معیوب ہے جیسے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا۔ خواتین کا اجتماع امیرِ سنی دعوتِ اسلامی مولانا محمد شاکر علی نوری رضوی کی دعاؤں پر ختم ہوا۔ اس اجتماع میں ممبئی اور ممبئی سے منسلک شہروں سے ایک لاکھ سے زائد خواتین نے اجتماع میں شرکت کی۔

دوسرے روز بعد نمازِ فجر تلاوتِ قرآن سے اجتماع کا آغاز ہوا۔ محمد راشد رضوی مبلغ سنی دعوتِ اسلامی نے حاضرینِ اجتماع کو نمازِ چاشت و اشراق کے فضائل سے آشنا کیا صبح ساڑھے نو بجے پھر نعتِ رسول ﷺ سے حاضرین کو محظوظ کیا گیا، ساتھ ہی انہیں سنتوں کی تعلیم بھی دی گئی۔ بھڑوچ گجرات سے آئے ہوئے مبلغ سنی دعوتِ اسلامی امتیاز بھائی نے "غلبۂ دین" کے موضوع پر ولولہ انگیز خطاب کیا۔ مبلغ سنی دعوتِ اسلامی جناب محمد صادق رضوی نے "توبہ اور نماز" کے موضوع پر ایک فکر انگیز خطاب فرمایا۔ ڈاکٹر احمد شیخ نے انگریزی میں "تخلیقِ انسان" کے موضوع پر بیان کیا۔ برطانیہ سے آئے ہوئے مولانا خالد رضوی نے بھی خطاب فرمایا۔ رئیس التحریر مولانا یٰسین اختر مصباحی، اجتماع میں تشریف لائے، آپ نے اجتماع کا منظر دیکھ کر اپنی خوشی کا اظہار فرمایا اور کلماتِ خیر سے حوصلہ افزائی فرمائی۔ افتخار احمد قادری مصباحی (مدینہ منورہ) نے شہرِ رسول ﷺ کی عظمت و فضیلت پر خطاب فرمایا۔

تیسرے دن اجتماع کا آغاز صبح ۴/ بجے ہوا۔ راشد رضوی نے نمازِ تہجد کے فضائل بیان کیے۔ نمازِ تہجد ادا کی گئی۔ نمازِ فجر کے بعد "فضائلِ قرآن" کے موضوع پر سید محمد نے درس دیا۔ ۷/ بجے راشد رضوی نے فضائلِ اشراق بیان کیے۔ اور نمازِ اشراق ادا کی گئی۔ مفتی محمد زبیر مصباحی (کرلا) نے سنّت و بدعت میں فرق کیا ہے؟ پر مختصر اور جامع خطاب کیا۔ برطانیہ سے آئے ہوئے مولانا خالد رضا نے برطانیہ میں سُنّی دعوتِ اسلامی کی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی۔ مزید بتایا کہ برطانیہ میں تحریک کے کام سے نوجوان طبقے میں خوش گوار تبدیلیاں آئی ہیں۔ سُنّی دعوتِ اسلامی کے زیرِ اہتمام چلنے والے مدارس الجامعۃ الغوثیہ ممبئی، دار العلوم انوارِ مدینہ ملاڈ، جامعہ حرا (بھیونڈی) کے ۲۹/ فارغین و حفّاظ کی دستار بندی ہوئی اور انہیں سندیں دی گئیں۔ ختمِ بخاری شریف حضرت مفتی محمد قدرت اللہ رضوی نے کرایا۔ ۵/ بجے مفتی نظام الدین صاحب سے سوال جواب کی نشست ہوئی جس میں تقلید کی شرعی حیثیت، خضاب کا رنگ، ٹی وی ویڈیو کا ریپیئر کاروبار وغیرہ کے بارے میں جوابات دیے۔ بعدِ مغرب امیرِ سُنّی دعوتِ اسلامی کا خصوصی خطاب ہوا۔ انہوں نے بتایا کہ اللہ عزوجل نے تخلیقِ انسانی سے پہلے اس کے رہنے کے لیے زمین پیدا فرمائی۔ زمین انسان کی ضرورت ہے۔ زمین میں اللہ رب عزوجل نے مختلف خزانے اور اتنی دولت ودیعت فرمادی ہے جس کا کوئی حساب نہیں۔ اگر آج قرآن کی تعلیمات سے مغربی دنیا واقف ہوتی تو مادّی خزانے کا استعمال انسانی جان تلف کرنے کے لیے نہیں بلکہ انسانی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے کرتی۔ اجتماع کو انٹرنیٹ پر نشر کیا گیا جس سے سیکڑوں لوگوں نے استفادہ کیا۔ اجتماع میں پانچ لاکھ سے زائد افراد نے شرکت کی۔

نیاز احمد مصباحی گولڈ میڈل سے سرفراز

عصری جامعات میں فرزندانِ اشرفیہ کی سرفرازیاں

۳۰/ اکتوبر کو ملک کی مرکزی یونیورسٹی جامعہ ملیہ اسلامیہ میں

سالانہ جلسہ تقسیم اسناد کا انعقاد کیا گیا۔ جلسہ میں وائس چانسلر نجیب جنگ نے مہمان خصوصی عمر عبد اللہ وزیر اعلیٰ جموں و کشمیر کی موجودگی میں یونیورسٹی کی فیکلٹیز کے ڈین صاحبان کو ۲۰۰۸ء میں مختلف کورسیز مکمل کرنے والے طلبہ کی ۳۳۹۱/ ڈگریاں سونپی اس موقع پر نیاز احمد مصباحی کو اول پوزیشن حاصل کرنے پر بی. اے. عربی آنرز کی ڈگری کے ساتھ گولڈ میڈل سے نوازا گیا۔ ان کے علاوہ ذیشان احمد مصباحی، اشرف رضا مصباحی، محمد ذکی اللہ مصباحی اور منصور عالم مصباحی کو بھی بی. اے. عربی آنرز کی ڈگری عطا کی گئی۔ جب کہ غالب حیدر مصباحی اور انیس الرحمن مصباحی بی-ایڈ، نیاز احمد مصباحی، محمد نعیم مصباحی ایڈوانسڈ ڈپلوما ان ماڈرن عربک لنگویج اینڈ ٹرانس لیشن، عطاء المصطفیٰ مصباحی ڈپلوما ان ماڈرن عربک لنگویج اینڈ ٹرانس لیشن، اشرف رضا مصباحی، ذیشان احمد مصباحی، انظار احمد مصباحی اور اشرف الکوثر مصباحی سرٹیفکیٹ ان ٹرانس لیشن پروفیشینسی کی اسناد سے نوازے گئے اس پروگرام میں انڈین ایئر فورس کے مارشل ارجن سنگھ، سابق چیف جسٹس وی این کھیر، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سابق وائس چانسلر ایم. اے. جنرل ذکی اور مشہور مورخ پروفیسر محمد امین صاحبان کو ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری عطا کی گئی۔

عرس حضرت صدر الشریعہ وسید نورانی

بولٹن میں واقع غوثیہ مسجد میں عظیم الشان عرس کا انعقاد ہوا جس میں راقم الحروف نے حضرت سید نورانی بابا قدس سرہ کی حیات پر روشنی ڈالی اور مولانا منور عتیق، علامہ قمر الزماں اعظمی اور مناظر اسلام سید عرفان شاہ مشہدی نے حضور صدر الشریعہ کی سوانح کے مختلف گوشوں کو اجاگر کیا۔

سید عرفان شاہ مشہدی نے فرمایا کہ اسلاف کی بارگاہ میں محافل اور لنگر نیز کتب کی اشاعت کی شکل میں ثواب کا نذرانہ پیش کرنا صحت عقیدہ کی علامت ہے۔ چوں کہ یہ پروگرام جماعت رضائے مصطفیٰ (یو. کے.) کے زیر اہتمام تھا اس لیے ہر ایک نے جماعت کی کارکردگی کو سراہا پروگرام کا اختتام سید عرفان شاہ مشہدی کی دعاؤں پر ہوا۔

از: **محمد نظام الدین مصباحی**، بولٹن، یو. کے.

قاری ابو الحسن کا فاتحہ چہلم وتعلیمی کانفرنس

۱۴/ اکتوبر ۲۰۰۹ء بروز بدھ بمقام دار العلوم وارثیہ گومتی نگر لکھنؤ معمار قوم وملت حضرت قاری ابو الحسن قادری برکاتی علیہ الرحمہ کا فاتحہ چہلم اور ایک عظیم الشان "تعلیمی کانفرنس" کا انعقاد رفیق ملت حضرت نجیب حیدر میاں صاحب قبلہ نائب سجادہ خانقاہ عالیہ مارہرہ مطہرہ کی سرپرستی میں ہوا۔ حضرت علامہ یسین اختر مصباحی بانی دار القلم دہلی نے کانفرنس کی صدارت فرمائی، نظامت کے فرائض مولانا آصف رضا سیفی نے انجام دیے، جس میں ملک کی نام ور خانقاہوں کے سجادگان اور مشہور مدارس کے مقتدر علمائے کرام نے شرکت فرمائی۔

اسی روز بعد نماز فجر قرآن خوانی ہوئی اور دوپہر تین بجے فاتحہ کی محفل سجی، جس میں خصوصیت سے صاحب سجادہ آستانہ عالیہ صمدیہ پھپھوند شریف حضرت اختر میاں صاحب اور مفتی شیخ رحمت اللہ صاحب بھدوہی نے شرکت فرمائی۔ بعد نماز عشا تعلیمی کانفرنس کا آغاز قاری محبوب عالم کی تلاوت سے ہوا۔ سب سے پہلے مولانا عبید اللہ خاں اعظمی کا خطاب ہوا۔ اس کے بعد مفتی شمس الدین بہرائچی نے قاری صاحب اور ان کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کیا۔ مولانا عبد المبین نعمانی چریاکوٹی نے فرمایا کہ قادری صاحب نہ پیر تھے نہ مقرر اور نہ ہی دولت مند پھر بھی لکھنؤ جیسی سرزمین پر ایسا کارنامہ انجام دیا جو آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ یہ سب ان کے اوپر حضور مجاہدِ ملت اور مجاہدِ دوراں کا خصوصی فیضان ہے۔ مولانا صغیر احمد جوکھن پوری نے دورانِ خطاب قاری صاحب کی خدمات کا جائزہ پیش کیا۔ دورانِ کانفرنس سید شرف الحق سندیلوی نے سید قیصر وارثی کی نظم بیادگار قاری صاحب پیش کی۔ پھر مفتی نظام الدین رضوی صدر شعبۂ افتا الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور نے خطاب فرمایا۔ آخر میں رفیق ملت نجیب میاں صاحب قبلہ نے خطاب فرمایا۔ کانفرنس کو خطاب کرنے والے دیگر حضرات یہ ہیں: مولانا غلام عبد القادر علوی براؤں شریف، مولانا زاہد رضا نینی تال، مولانا محمد عرفان صاحب، مولانا سید ظفر مسعود وغیرہم۔

مندرجہ ذیل علمائے ذوی الاحترام اور مشائخ عظام نے اپنی شرکت سے نوازا: علامہ محمد احمد مصباحی پرنسپل جامعہ اشرفیہ مبارکپور، مفتی محمد ایوب مظہر پورنیہ، مولانا محمد ادریس بستوی، مولانا اعجاز انجم، مفتی بدر عالم مصباحی، مولانا ساجد علی مصباحی، مولانا عرش محمد، مولانا قاری جلال الدین، مولانا عاقل صاحب، مولانا انوار احمد نعیمی، مولانا عالم رضا، مولانا مفتی حنیف برکاتی، مولانا عبید الرحمن، مولانا غفران صاحب، مولانا سید سہیل میاں، حضرت حامد میاں صاحب، شعیب العلیم بقائی، صباحت میاں، مولانا عبد القدیر، مولانا نوری، مولانا اسرار وغیرہم۔ ان کے علاوہ علما اور ائمہ نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ واضح رہے کہ حضرت قاری صاحب ۸/ اگست ۲۰۰۹ء مطابق ۱۶/ شعبان ۱۴۳۰ھ بروز سنیچر رحلت فرماگئے۔ ☆☆☆☆☆☆☆☆

R.N.I. No.: 29292/76 Regd. No.: AZM/N.P.28
THE ASHRAFIA MONTHLY
Mubarakpur, Azamgarh (U.P.)-276 404 (INDIA) Phone: (05462) 250092, 250149, Fax: 251448
http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail:info@aljamiatulashrafia.org December 2009